صدقہ خیرات کے فضائل

مؤلف: سید آصف علی سبزواری

من انصاری الی اللہ

کوئی ہے جو راہ اللہ میں میرا مددگار ہو (القرآن)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں'' (آل عمران، ع ۱۱)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

لوگو! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بھلی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے منع کرو، مبادا وہ وقت آ جائے کہ تم دعا مانگو اور میں اس کو قبول نہ کروں اور تم مجھ سے سوال کرو اور میں اس کو پورا نہ کروں اور تم مجھ سے مدد چاہو اور میں تمھاری مدد نہ کروں (ترغیب)۔

صدقہ، خیرات کے فضائل

مؤلف

سید آصف علی سبزواری (عام آدمی)

ازافادات مؤلف (سابق آفیسر نیشنل بینک آف پاکستان)

0332-0348763 0302-2004072

تصدیق کنندہ۔ حضرت مولانا محمد عتیق الرحمٰن عباسی

امام وخطیب جامع مسجد اقصیٰ بلیز ہائٹس، بلاک ۱۸، گلستانِ جوہر کراچی۔

اشاعت اول: .....ربیع الاول 1441 ہجری، نومبر 2019 عیسوی

باہتمام ____ محترم راؤ محمد ایوب خان، فلائٹ لیفٹیننٹ (ر) PAF

راؤ اینڈ راؤ بلڈرز اینڈ ڈیولپرز

کمپوزنگ: محمد عامر صدیقی.....کراچی سینٹر، نیوٹاؤن کراچی۔

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیشِ خدمت ہے، قبولیت کی اُمید رکھتا ہوں۔ اس کاوش کا ثواب اس ذاتِ گرامی کی نذر ہے جسے کسی ثواب کی حاجت نہیں بلکہ جس کا نام ہی ہمارے لیے حرفِ دُعا ہے، محمد ﷺ: ان سے رِشتہ ہمارے ایمان کی اساس ہے۔ درحقیقت ایسی ہر کوشش اور ہدیۂ سلام ودرود سے ہماری ذات کو استحکام حاصل ہوتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہوں کہ وہ اس کا ثواب میرے والدین، آباؤ اجداد اور تمام متعلقین کو پہنچا دے اور ان کو اپنی رحمت سے بخش دے اور میدان حشر میں ان پر خصوصی رحم فرما دے۔ آمین۔

سید آصف علی سبزواری

فہرست

۱	بخل اور کنجوسی سے بچیے	۴
۲	سخی، اللہ کا بھی محبوب اور لوگوں کا بھی	۱۱
۳	فضول خرچی اور اسراف	۱۶
۴	اپنے رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی فضیلت	۱۹
۵	ایثار اہل ایمان کی پہچان	۲۳
۶	خالق کائنات کو قرض دینے کی سعادت حاصل کیجیے	۲۷
۷	ضرورت کا دن آج یا روز قیامت	۲۹
۸	صدقہ بلاؤں کو دور کرتا ہے	۳۳
۹	انفاق فی سبیل اللہ، ایمان کی نشانی	۳۷
۱۰	صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا	۳۸
۱۱	مال اس امت کے لیے فتنہ ہے	۴۱
۱۲	وہی مال اپنا ہے جو آگے بھیج دیا	۴۵
۱۳	کسی مسلمان کی حاجت پوری کرنے کی فضیلت	۴۷
۱۴	ایصال ثواب، والدین کا حق	۴۹
۱۵	صدقۂ جاریہ کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے	۵۰
۱۶	مساجد ومدارس میں مالی معاونت کی اہمیت	۵۱
۱۷	جو صدقہ کر دیا وہ محفوظ ہو گیا	۵۳
۱۸	صدقہ کرنے کے لیے امیر ہونا ضروری نہیں	۵۵
۱۹	بخل کی مذمت	۵۷
۲۰	صدقہ کرنے کیلئے حلال مال ضروری ہے	۵۹

فہرست

۲۱	نیکیوں کوضائع کرنے والاعمل، ریاکاری	۶۳
۲۲	مسلمان کی اچھی شہرت اور ریاکاری	۷۰
۲۳	سود اور صدقہ	۷۴
۲۴	زکوٰۃ اسلام کا بنیادی رکن	۷۹
۲۵	مال ودولت ،نعمت خداوندی	۸۱
۲۶	صدقہ اوراخلاص	۸۶
۲۷	صدقہ، خیرات اور رمضان	۹۱
۲۸	صدقۃ الفطر کی اہمیت	۹۶
۲۹	کسی نیکی کوبھی معمولی مت سمجھئے	۱۰۱
۳۰	سخاوت،مومن کی پہچان	۱۰۷
۳۱	زکوٰۃ اورصدقے کے آداب	۱۱۳
۳۲	زکوٰۃ اور نماز،لازم وملزوم	۱۱۷
۳۳	سود:اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ	۱۲۵
۳۴	اخلاصِ نیت اور صدقہ	۱۳۴
۳۵	زکوٰۃ دینے سے مال بڑھتا ہے	۱۴۶
۳۶	یتیموں کے حقوق اور ہمارا طرزِ عمل	۱۵۳
۳۷	رشتے داروں کے حقوق اور صلہ رحمی	۱۵۸
۳۸	غریبوں پرخرچ کرنے کی فضیلت	۱۶۳
۳۹	انسانی زندگی پرنیکی اورصدقے کے اثرات	۱۶۸
۴۰	صلہ رحمی کا درجہ کمال	۱۷۸

بخل اور کنجوسی سے بچیئے

حضرت یحییٰؑ نے ایک مرتبہ شیطان سے دریافت کیا کہ تجھے سب سے زیادہ کون شخص محبوب ہے اور سب سے زیادہ نفرت کس سے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے سب سے زیادہ محبت بخیل مومن سے ہے اور سب سے زیادہ نفرت سخی فاسق سے ہے۔ انہوں نے فرمایا: یہ کیا بات ہوئی؟ شیطان نے عرض کیا کہ بخیل تو اپنے بخل کی وجہ سے مجھے بے فکر رکھتا ہے یعنی اس کا بخل ہی جہنم میں لے جانے کے لئے کافی ہے لیکن فاسق سخی کے حوالے سے مجھ پر ہر وقت فکر سوار رہتا ہے کہ کہیں حق تعالیٰ شانہ اس کی سخاوت کی وجہ سے اس سے درگزر نہ فرمادیں۔ (احیاء)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص سخاوت کرتا ہے وہ اللہ جل شانہ کے ساتھ حسن ظن کی وجہ سے کرتا ہے اور جو بخل کرتا ہے وہ حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ بدظنی سے کرتا ہے (کنز)۔

حسنِ ظن کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ جس مالک نے یہ عطا فرمایا وہ پھر بھی عطا فرما سکتا ہے اور ایسے شخص کے اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے میں کیا تردد ہے اور بدظنی کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ ختم ہوگئے تو پھر کہاں سے آئیں گے؟ ایسے شخص کا اللہ تعالیٰ سے دور ہونا ظاہر ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خزانے کو بھی محدود سمجھتا ہے حالانکہ آمدنی کے اسباب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ان اسباب سے پیداوار کا ہونا، اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ نہ چاہے تو دکاندار ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے، کاشت کار بوئے اور پیداوار نہ ہو۔ جب سب کچھ اسی کی عطا ہے تو پھر یہ سوچنا ہی فضول ہے کہ پھر کہاں سے آئے گا؟ ہم لوگ زبان سے تو اقرار کرتے ہیں مگر دل سے نہیں مانتے کہ وہی ہر چیز عطا کرنے والا اور ہر ضرورت پوری کرنے والا ہے ورنہ ہم بخل کے بجائے

سخاوت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔

آج اگر کوئی صاحب حیثیت شخص یہ ذمہ لے لے کہ تم جتنا بھی خرچ کرو تمہارے تمام اخراجات میرے ذمہ ہیں تو ہم اس کی بات پر یقین کرتے ہوئے دل کھول کر خرچ کرنا شروع کر دیں گے اور دنیا بھر میں گاتے پھریں گے کہ مجھے بھلا کس بات کی فکر ہے، میرا ذمہ تو فلاں سیٹھ نے لیا ہوا ہے، بھلا اس کے پاس دولت کی کیا کمی ہے جبکہ یہ حقیقت ہے کہ اس سیٹھ کی جانب سے ذمہ لینے کے باوجود اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا یا وہ کبھی کنگال نہیں ہوگا یا وہ کبھی ناراض نہیں ہوگا یا پھر وہ کبھی اپنی بات سے نہیں پھرے گا؟ جبکہ خالق کائنات کے اندر ان عیوب سمیت کوئی بھی عیب نہیں پایا جاتا ہے اور وہ تمام خزانوں کا مالک اور سب سے بڑھ کر سخی بھی ہے اور اس نے دنیا کی سب سے سچی کتاب قرآن پاک میں اور دنیا کے سب سے سچے انسان رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سینکڑوں مرتبہ ہمیں اس بات کی یقین دہانی کروائی ہے کہ بخل میں دنیا و آخرت کی تباہی ہے اور سخاوت ہی دونوں جہانوں کی دولت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ دنیا کے بارے میں رب کائنات نے واضح طور پر فرما دیا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال بڑھتا ہے، کم نہیں ہوتا جبکہ آخرت کے بارے میں فرمایا کہ میری عزت کی قسم، میرے جلال کی قسم، میرے عرش پر بلندی کی قسم، تجھ (جنت) میں بخیل داخل نہیں ہوسکتا (کنز)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سخی آدمی اللہ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے، جہنم سے دور ہے اور بخیل آدمی اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، آدمیوں سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے۔ بے شک جاہل سخی اللہ کے نزدیک عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہے نیز فرمایا کہ دو خصلتیں ایسی ہیں جو مومن میں جمع نہیں ہوسکتیں: ایک تو بخل، دوسرا بدخلقی (ترمذی)۔

یہ عام مشاہدہ بھی ہے کہ سخی آدمی سے لوگ فطری طور پر محبت کرتے ہیں اور اس کے بارے میں اچھے خیالات رکھتے ہیں۔ جس محفل میں بھی اس کا ذکر ہوتا ہے اچھے الفاظ میں ہی ہوتا ہے سوائے ان حاسدوں کی مجلس کے جو حسد کی آگ میں خود ہی جلتے رہتے ہیں جبکہ بخیل آدمی خواہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو، اس کی خوبیوں کا ذکر بھی ان الفاظ میں ہوتا ہے کہ ''باقی تو بہت اچھا ہے مگر حد درجہ کا کنجوس و بخیل ہے، وہ تو اپنے باپ کو بھی بغیر مطلب کے ایک روپیہ نہ دے وغیرہ وغیرہ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے خزانہ کے طور پر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، آپ ان کو بڑے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے، وہ اس دن ہوگا جس دن ان کو (سونے چاندی کو) اول جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پسلیوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھا تھا۔ اب اس کا مزہ چکھو جس کو جمع کر کے رکھا تھا (توبہ: ع ۵)۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ''اور نہ تو (بخل کی وجہ سے) اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے باندھ لینا چاہئے اور نہ بہت زیادہ کھول دینا چاہئے (کہ اسراف کی حد تک پہنچ جائے کہ اس صورت میں) ملامت زدہ اور (فقر کی وجہ سے) تھکے ہوئے بیٹھے ہو۔ بے شک تیرا رب جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے تنگی کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں (کی مصالح اور ان کے احوال) سے باخبر ہے (کہ کس کے لئے کتنا مناسب ہے اور ان کے احوال کو) دیکھنے والا ہے۔ (بنی اسرائیل۔ ع ۳)

ان آیات مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ مال و دولت جمع کرنے کا شوق بالخصوص ایسا شوق جو لوگوں کے حقوق کی ادائیگی اور اللہ کی راہ میں خرچ کر دینے سے بھی روک دے، وہ بہت دردناک عذاب کا باعث ہے اور قیامت کے دن انتہائی حسرت و ندامت کا

سبب ہوگا حتیٰ کہ آدمی کہے گا کہ یا اللہ! مجھے دنیا میں واپس بھیج دے تو اپنا سارا مال وزر تیری راہ میں قربان کردوں گا مگر اس وقت دیر ہو چکی ہوگی کیونکہ وہاں تو کافر بھی اللہ تعالیٰ کی ہر بات پر ایمان لے آئیں گے لیکن وہاں کی ندامت، توبہ اور ایمان لانا کسی کام کا نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ وضاحت بھی کردی گئی کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان اپنا سب کا سب مال تقسیم کردے اور خود محتاج ہو جائے بلکہ اللہ تعالیٰ کو ہر معاملے میں اعتدال کی راہ زیادہ پسند ہے۔ بہر حال حسب استطاعت تو لوگوں پر خرچ کرنا چاہئے۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ شریف کی دیوار کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ مجھے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کعبہ کے رب کی قسم! وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں۔ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! کون لوگ؟ فرمایا کہ جن کے پاس مال زیادہ ہو، سوائے ان لوگوں کے جو اس طرح اس طرح (خرچ) کریں، اپنے دائیں بائیں سے، آگے سے پیچھے سے لیکن ایسے آدمی بہت کم ہیں (متفق علیہ)۔

درحقیقت مال اس شخص کے لئے زینت اور عزت ہے جو اس کو دوسروں پر خرچ کرے اور جو اسے گن گن کر سنبھال کر رکھے، اس کے لئے یہ ہر قسم کی آفات کا پیش خیمہ ہے، اسے بھی ہلاک کرتا ہے اور خود بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ مال کی اس سے بڑی بے مروتی اور کیا ہوگی کہ یہ کسی بھی شخص کو اس وقت تک فائدہ نہیں پہنچاتا جب تک اس سے جدا نہ ہو۔ دنیاوی ضروریات کی تکمیل کے لئے بھی اسے خرچ کرنا پڑتا ہے اور اخروی فوائد کے حصول کے لئے بھی اسے خود سے جدا کرنا پڑتا ہے لہٰذا عقل مند وہی ہے جو اپنی جائز ضروریات پوری کرنے کے بعد باقی مال کو آخرت کی نعمتیں خریدنے پر صرف کردے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ:

سخاوت جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی ٹہنیاں دنیا میں جھک

رہی ہیں، جو شخص اس کی کسی ٹہنی کو پکڑ لیتا ہے وہ ٹہنی اس کو جنت تک پہنچا دیتی ہے اور بخل جہنم کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی ٹہنیاں دنیا میں جھک رہی ہیں، جو شخص اس کی کسی ٹہنی کو پکڑ لیتا ہے وہ ٹہنی اس کو جہنم تک پہنچا دیتی ہے (کنز)۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے دو اغنیاء اور دو فقراء کو وفات دی۔ اس کے بعد ایک غنی سے مطالبہ فرمایا کہ اپنے واسطے آگے کیا بھیجا اور اپنے عیال کے واسطے کیا چھوڑ کر آیا؟ اس نے عرض کیا: یا اللہ! تو نے مجھے پیدا کیا اور ان کو بھی تو نے ہی پیدا کیا اور ہر شخص کی روزی کا تو نے ہی ذمہ لیا اور تو نے قرآن پاک میں فرمایا ''کون ہے جو اللہ کو قرض دے، اچھا قرض، پھر اللہ اس کو بڑھا کر بہت زیادہ کردے (اور خرچ کردینے سے تنگی کا خوف نہ کرو) کہ اللہ ہی تنگی اور فراخی کرتا ہے اور اسی کی طرف (مرنے کے بعد) لوٹائے جاؤ گے (سورۂ بقرہ رکوع ۳۲)۔

اس بنا پر میں نے اپنا مال آگے بھیج دیا اور مجھے یہ بات محقق تھی کہ آپ ان کو روزی دیں گے ہی۔ ارشاد ہوا: اچھا جاؤ، اگر تمہیں (دنیا میں) معلوم ہو جاتا کہ تمہارے لئے میرے پاس کیا کیا (انعام واکرام) ہے تو دنیا میں بہت خوش ہوتے اور بہت کم رنجیدہ ہوتے۔

اس کے بعد دوسرے غنی سے مطالبہ ہوا کہ تو نے اپنے لئے کیا بھیجا اور عیال کے لئے کیا چھوڑا؟ اس نے عرض کیا: یا اللہ! میری اولاد تھی، مجھے ان کی تکلیف اور فقر کا ڈر ہوا۔ ارشاد ہوا کہ کیا میں نے ہی تجھ کو اور ان سب کو پیدا نہ کیا تھا، کیا میں نے سب کی روزی کا ذمہ نہیں اٹھایا تھا؟ اس نے عرض کیا: یا اللہ بے شک ایسا ہی تھا لیکن مجھے ان کے فقر کا خوف ہی بہت ہوا۔ ارشاد ہوا کہ فقر تو ان کو پہنچا۔ کیا تو نے اس کو ان سے روک لیا۔ اچھا جا، اگر تجھے (دنیا میں) معلوم ہو جاتا کہ تیرے لئے میرے پاس کیا کیا (عذاب) ہے تو بہت کم ہنستا اور بہت زیادہ روتا۔

پھر ایک فقیر سے مطالبہ ہوا کہ تو نے اپنے لئے کیا جمع کیا اور عیال کے لئے کیا چھوڑا؟ اس نے عرض کیا: یا اللہ! آپ نے مجھے صحیح سالم وتندرست پیدا کیا اور گویائی بخشی، اپنے پاک نام مجھے سکھائے، اپنے سے دعا مانگنا سکھایا۔ اگر آپ مجھے مال دے دیتے تو مجھے یہ اندیشہ تھا کہ میں اس میں مشغول ہوجاتا۔ میں اپنی اس حالت پر جو تھی، بہت راضی ہوں۔ ارشاد ہوا، اچھا جاؤ، میں بھی تم سے راضی ہوں۔ اگر تمہیں (دنیا میں) معلوم ہوجاتا کہ تمہارے لئے میرے پاس کیا ہے تو بہت زیادہ ہنستے اور بہت کم روتے۔

اس کے بعد دوسرے فقیر سے مطالبہ ہوا کہ تو نے اپنے لئے کیا بھیجا اور عیال کے لئے کیا چھوڑا؟ اس نے عرض کیا: یا اللہ! آپ نے مجھے دیا ہی کیا تھا، جس کا اب سوال ہے۔ ارشاد ہوا: کیا ہم نے تجھے صحت نہ دی تھی، گویائی نہ دی تھی، کان، آنکھ نہ دیئے تھے اور قرآن پاک میں یہ نہ کہا تھا کہ ''مجھ سے دعائیں مانگو، میں قبول کروں گا'' اس نے عرض کیا: یا اللہ! یہ تو بے شک سب صحیح ہے مگر مجھ سے بھول ہوئی۔ ارشاد ہوا کہ اچھا آج ہم نے بھی تجھے بھلا دیا۔ جا چلا جا، اگر تجھے خبر ہوتی کہ تیرے لئے ہمارے یہاں کیا کیا عذاب ہے تو بہت کم ہنستا اور بہت زیادہ روتا (کنز)۔

ہم لوگ تجارت میں، زراعت میں اور دوسرے ذرائع سے روپیہ کمانے میں جتنی محنت اور دردِسری کر کے جمع کرتے ہیں وہ سب اسی لئے ہوتا ہے کہ کچھ ذخیرہ اپنے پاس موجود رہے جو ضرورت کے وقت کام آئے، نہ معلوم کس وقت کیا ضرورت پیش آجائے؟ لیکن جو اصل ضرورت کا وقت اور مقام ہے اور اس کا پیش آنا بھی یقینی اور اس میں اپنی سخت احتیاج بھی ضروری ہے اور یہ بھی پتہ ہے کہ اس وقت صرف وہی کام آئے گا جو اپنی زندگی میں خدائی بینک میں جمع کر دیا گیا ہو کہ جمع شدہ ذخیرہ بھی پورا کا پورا ملے گا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اضافہ بھی ہوتا رہے گا لیکن اس کی طرف بہت کم توجہ دیتے ہیں حالانکہ دنیا کی یہ زندگی خواہ کتنی ہی لمبی ہو آخر ختم ہونے والی ہے اور آخرت کی

زندگی کبھی بھی ختم ہونے والی نہیں۔ دنیا کی زندگی میں اگر مال ضائع ہوجائے تو محنت مزدوری کر کے حتیٰ کہ بھیک مانگ کر بھی زندگی گزاری جاسکتی ہے مگر آخرت کی زندگی میں کوئی صورت کمائی کی نہیں ہے، وہاں صرف وہی کام آئے گا جو ذخیرہ کے طور پر آگے بھیج دیا گیا۔

دراصل انسان کے اندر بخل جیسی قبیح عادت تب ہی پیدا ہوتی ہے جب وہ موت کو فراموش کر کے لمبی لمبی امیدیں وابستہ کر لیتا ہے لہٰذا 80,70 سال کا بوڑھا بھی اپنے ''مستقبل'' کے لئے مال جمع کر کر کے رکھتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنی ساری زندگی ایک غیر یقینی مستقبل کو سنوارنے کی فکر میں گزار دی جبکہ ایک اٹل اور یقینی مستقبل سے ہم غافل ہیں، گویا کہ موت صرف دوسروں کے لئے ہے، ہمیں تو مرنا ہی نہیں ہے۔ متعدد احادیث میں موت کو کثرت سے یاد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ موت دنیاوی لذتوں کو توڑنے والی اور فانی چیزوں کی محبت کم کرنے والی ہے۔ اسی طرح اپنا مال آگے بھیجنے کی طرف رغبت دلائی گئی ہے کیونکہ مال سے محبت انسان کی فطرت میں شامل ہے لہٰذا جب وہ اپنا مال آگے روانہ کر دے گا تو خود بھی وہاں پہنچنے کی تیاری کرے گا اور جو شخص اپنا مال جمع کر کر کے رکھے گا تو خود بھی اس سے جدا نہیں ہونا چاہے گا اس لیے موت کا تصور بھی اس کے لئے سوہان روح ہوگا اور اس طرح موت کی تیاری کیے بغیر مال مال کرتا ہوا اس رب کے حضور حاضر ہوجائے گا جہاں اعمال کام آئیں گے مال نہیں!

سخی، اللہ کا بھی محبوب اور لوگوں کا بھی

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ سخی آدمی اللہ سے قریب ہے جنت سے قریب ہے لوگوں سے قریب ہے، جہنم سے دور ہے اور بخیل آدمی اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے اور آدمیوں سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے، بے شک جاہل سخی اللہ کے نزدیک ایک عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہے (ترمذی شریف)۔

اللہ تعالیٰ انتہائی سخی ہے، محسن انسانیت ﷺ سمیت تمام انبیاء کرام میں دیگر اوصاف کے علاوہ ایک مشترکہ وصف سخاوت بھی تھا حتیٰ کہ کوئی بھی ولی اللہ ایسا نہیں گزرا جو سخی نہ ہو کیونکہ سخاوت رب کائنات کو انتہائی پسند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے حسب استطاعت سخاوت کا مظاہرہ کریں اور اس کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ لاکھوں، کروڑوں روپے صدقہ کیے جائیں بلکہ غریب آدمی کی جانب سے صدقہ کیا جانے والا ایک روپیہ بھی خالق کائنات کی نظر میں ان کروڑوں روپے سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے جس میں اخلاص نہ ہو۔ سخاوت اہل جنت کی ایک نشانی ہے لہٰذا یہ سخی آدمی کو بھی جنت میں پہنچا کر دم لیتی ہے جیسا کہ رحمت اللعلمین ﷺ کا ارشاد مبارکہ ہے:

سخاوت جنت میں ایک درخت ہے پس جو شخص سخی ہوگا، وہ اس کی ایک ٹہنی پکڑ لے گا جس کے ذریعے سے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور بخل جہنم کا ایک درخت ہے جو شخص بخیل ہوگا وہ اس کی ایک ٹہنی پکڑ لے گا یہاں تک کہ وہ ٹہنی اس کو جہنم میں داخل کر کے رہے گی (بیہقی، مشکوٰۃ)۔

ایک اور جگہ فرمایا کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام سخا ہے، سخاوت اسی سے پیدا ہوئی ہے اور جہنم میں ایک درخت ہے جس کا نام ''شحّ'' ہے، شحّ اسی سے پیدا ہوا ہے،

جنت میں شحیح (بخیل) داخل نہ ہوگا (کنز العمال)۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ کعبہ شریف کی دیوار کے سایہ میں تشریف رکھتے تھے۔ مجھے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ بڑے خسارہ میں ہیں۔ میں نے عرض کیا: میرے ماں، باپ آپ ﷺ پر قربان، کون لوگ؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جن کے پاس مال زیادہ ہو مگر وہ لوگ جو اس طرح (خرچ) کریں، اپنے دائیں سے، بائیں سے، آگے سے، پیچھے سے لیکن ایسے آدمی بہت کم ہیں (متفق علیہ، مشکوٰۃ)۔

مال بذات خود کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے لہٰذا حلال مال کے حصول کی کوشش نہ کرنا شرعاً کوئی مستحسن فعل نہیں ہے کیونکہ جب آدمی خود نہیں کمائے گا تو اپنی اور اہل خانہ کی ضروریات کے لیے دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلائے گا اور یہ چیز شریعت کی نظر میں بھی اور دنیوی اعتبار سے بھی ذلت و ہلاکت کا باعث ہے لہٰذا حلال مال کے حصول کی کوشش تو ضرور کرنا چاہیے لیکن اس مال کو صحیح مصرف میں خرچ کرنا، اس میں سے حقوق واجبہ کا ادا کرنا اور پھر باقی مال میں سے حسب استطاعت فی سبیل اللہ خرچ کرنا دونوں جہاں میں کامیابی و سرخ روئی کا ایک بہترین ذریعہ ہے لہٰذا صاحب مال کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ بخل سے کام لے بلکہ اسے اپنا مال اس ذات کی رضا و خوشنودی کے لیے خرچ کرنا چاہیے جس نے عطا فرمایا ہے اور وہ اس مال کو کئی گنا بڑھانے پر بھی قادر ہے جبکہ آخرت کا ذخیرہ اور مغفرت کا سبب الگ ہے۔

حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے میرے عمامہ کا سرا پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ عمران! حق تعالیٰ شانہ کو خرچ کرنا بہت پسند ہے اور روک کر رکھنا ناپسند ہے، تو خرچ کیا کر اور لوگوں کو کھلایا کر، کسی کو مضرت نہ پہنچا کہ تجھ پر تیری طلب میں مضرت ہونے لگے گی۔ غور سے سن! حق تعالیٰ شانہ شبہات کے وقت تیز نظر کو پسند کرتے

ہیں (یعنی جس چیز میں جائز، ناجائز کا شبہ ہو اس میں باریک بینی سے کام لینا چاہیے تاکہ ناجائز کاموں سے بچ سکے) اور شہوتوں کے وقت کامل عقل کو پسند کرتے ہیں (یعنی جب گناہ کا تقاضا ہو تو عقل کو ایک طرف رکھ کر شہوت کو خود پر غالب نہ آنے دے) اور سخاوت کو پسند کرتے ہیں چاہے چند کھجوریں ہی خرچ کرے اور بہادری کو پسند کرتے ہیں چاہے سانپ اور بچھو ہی کے قتل میں کیوں نہ ہو (کنز العمال)۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے:

قیامت کے دن آدمی ایسا (ذلیل وضعیف) لایا جائے گا جیسا کہ بھیڑ کا بچہ ہوتا ہے اور اللہ جل جلالہ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ ارشاد ہوگا کہ میں نے تجھے مال عطا کیا، حشم وخدم دیے، تجھ پر نعمتیں برسائیں، تو نے ان سب انعامات میں کیا کارگزاری کی؟ وہ عرض کرے گا کہ میں نے خوب مال جمع کیا، اس کو بہت زیادہ بڑھایا اور جتنا شروع میں میرے پاس تھا، اس سے بہت زیادہ کر کے چھوڑ آیا۔ آپ مجھے دنیا میں واپس کر دیں، میں وہ سب آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں۔ ارشاد ہوگا: مجھے تو وہ بتا جو تو نے زندگی میں (ذخیرہ کے طور پر آخرت کے لیے) آگے بھیجا ہو۔ وہ پھر اپنا پہلا کلام دہرائے گا کہ میں نے خوب مال جمع کیا، اس کو بہت زیادہ بڑھایا اور جتنا شروع میں میرے پاس تھا، اس سے بہت زیادہ کر کے چھوڑ آیا۔ آپ مجھے دنیا میں واپس کر دیں، میں وہ سب آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں۔ (یعنی خوب صدقہ کروں تاکہ وہ یہاں میرے پاس آجائے) چونکہ اس کے پاس کوئی ذخیرہ ایسا نہ نکلے گا جو اس نے اپنے لیے آگے بھیج دیا ہو اس لیے اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا (ترمذی، مشکوٰۃ)۔

اس دنیا میں ہم غیب پر ایمان لانے والے ہیں لہٰذا ہم بغیر دیکھے خالق کائنات پر ایمان لائے، خاتم الانبیا ﷺ پر ایمان لائے، اس پر بھی ایمان لائے کہ قرآن کریم رب کائنات کی نازل کردہ سچی اور آخری کتاب ہے اور قرآن وحدیث کے ہر ہر لفظ پر

ایمان لائے، خواہ اس کی مصلحتیں ہماری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں اور اسلام کی نظر میں اصل اہمیت ہی ایمان بالغیب کی ہے ورنہ موت کے وقت تو فرعون جیسا بدترین کافر اور خدائی کا دعویدار بھی اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے لیکن چونکہ اس وقت عالم غیب ظاہر ہونے لگتا ہے لہٰذا ایمان بالغیب لانے کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور اس وقت کسی بھی کافر کا ایمان قابل قبول نہیں ہوتا بلکہ کسی بھی گناہ گار مسلمان کی توبہ تک قبول نہیں ہوتی۔ اسی طرح آج قرآن وحدیث بار بار ہمیں یہ ترغیب دے رہے ہیں کہ اپنا مال جو درحقیقت اللہ ہی کا دیا ہوا ہے، اللہ کے بینک میں جمع کروا دو جس کے بدلے رب العلمین دونوں جہاں میں اتنا دے گا کہ تم سے سنبھالا نہیں جائے گا لیکن بدقسمتی سے آج اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات پر ہمیں اتنا بھی یقین نہیں ہے جتنا کہ سو کے نوٹ پر ہے۔ ہم یہ تو ایمان رکھتے ہیں کہ سو روپے کا ایک کلو دودھ آجائے گا لیکن دودھ سمیت پوری کائنات کے خالق کی اس بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں کہ تم میری رضا جوئی کے لیے خرچ کرو، میں اس سو روپے کے بدلے تمہیں ایسی جنت عطا کروں گا جس میں دودھ کی نہریں بہتی ہوں گی، ہم سو روپے کا منرل واٹر خریدنے کے لیے تو تیار ہیں لیکن کسی ضرورت مند پر وہ سو روپے خرچ کر کے قیامت کے روز حوض کوثر کا پانی حاصل کرنے کے لیے تیار نہیں، ہم گرمی سے بچنے کے لیے ہزاروں روپے خرچ کر کے ائیر کنڈیشنر لگانے کے لیے تو تیار ہیں لیکن وہی رقم خرچ کر کے اس دنیا کی آگ سے 70 گنا زیادہ سخت ومہلک جہنم کی آگ سے بچنے کے لیے تیار نہیں، آخر کیوں؟ اس لیے کہ ہمیں ایک کلو دودھ، منرل واٹر اور ائیر کنڈیشنر کی ٹھنڈک نظر آتی ہے جبکہ جنت، جہنم اور حوض کوثر نظر نہیں آتا اور نہ ہی ہمیں صحیح معنوں میں یوم حشر کی سختی و ہلاکت خیزی کا اندازا ہے۔

اسی طرح آج ہمیں مال جمع کرنے کے فوائد تو معلوم ہیں لیکن اسے فی سبیل اللہ خرچ

کرنے کے فوائد یا تو معلوم ہی نہیں یا ہمیں اس کا یقین نہیں ہے اور یا پھر وہی والی بات ہے کہ بقول شاعر:

جانتا ہوں ثواب طاعت وزہد
پر طبیعت ادھر مائل نہیں ہوتی

اسی طبیعت کو مائل کرنے کے لیے تو دنیا کی سب سے سچی کتاب اور سب سے سچے انسان، صادق وامین ﷺ ہمیں ہزاروں مقامات پر، مختلف طریقوں سے، مثالیں بیان کر کر کے، دنیا و آخرت کے فوائد کی ترغیب دے کر، دونوں جہاں کے نقصانات سے آگاہ کر کے قسمیں کھا کھا کر یہ یقین دلا رہے ہیں کہ صدقہ آخرت میں تو کامیابی کا ذریعہ ہے ہی لیکن اس سے دنیا میں بھی مال کم نہیں ہوتا بلکہ اور بڑھتا ہے مگر شیطان نے ہمیں اپنے جال میں ایسا جکڑ رکھا ہے گویا کہ:

''دینے کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہوں مگر کوئی روک لیتا ہے''

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو خسارہ پانے والے قرار دیا ہے اور جسے رب کائنات خسارے والا کہے اسے دنیا و آخرت کے خسارے سے کون بچا سکتا ہے؟

فضول خرچی اور اسراف

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی مت کرو۔ یاد رکھو کہ اللہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا (سورہ اعراف:31)۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

اور رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو (ان کا حق) اور اپنے مال کو بے ہودہ کاموں میں نہ اڑاؤ۔ یقین جانو کہ جو لوگ بے ہودہ کاموں میں مال اڑاتے ہیں وہ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے (سورہ بنی اسرائیل:27،26)۔

حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی نے ''آسان ترجمہ قرآن'' میں لکھا ہے کہ ''قرآن کریم نے یہاں تبذیر کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ عام طور سے تبذیر اور اسراف دونوں کا ترجمہ فضول خرچی سے کیا جاتا ہے لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر جائز کام میں خرچ کیا جائے لیکن ضرورت یا اعتدال سے زیادہ خرچ کیا جائے تو وہ اسراف ہے اور اگر مال کو ناجائز اور گناہ کے کام میں خرچ کیا جائے تو وہ تبذیر ہے۔ اسی لیے یہاں ترجمہ ''بے ہودہ کاموں میں مال اڑانے'' سے کیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

کھاؤ اور پیو اور دوسروں پر صدقہ کرو اور لباس زیب تن کرو بشرطیکہ اسراف (فضول خرچی) اور تکبر کی آمیزش نہ ہو (سنن ابن ماجہ:3605)۔

اسلام ہمیں عبادات سمیت ہر موقع پر اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم اور ترغیب دیتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن سرجسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا: اچھی سیرت اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت اور میانہ روی ایک حصہ ہے نبوت کے چوبیس حصوں میں سے (جامع ترمذی)۔

میانہ روی کا مطلب یہ ہے کہ ہر کام اور ہر حال میں افراط وتفریط سے بچا جائے اور اعتدال کی روش اختیار کی جائے۔ رحمت اللعلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں اس چیز پر خاص طور سے زور دیا ہے، یہاں تک کہ عبادت جیسے بہترین انسانی عمل میں بھی آپ ﷺ نے اعتدال و میانہ روی کی تاکید فرمائی ہے جیسا کہ تین صحابہ کرامؓ میں سے ایک نے ساری زندگی روزے رکھنے، دوسرے نے ساری زندگی رات بھر جاگ کر نماز پڑھنے اور تیسرے نے کبھی بھی شادی نہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ آپ ﷺ کو اس منصوبے کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے ان کو تنبیہ فرماتے ہوئے اس عمل سے منع کیا اور انہیں اپنی سنت سے آگاہ کیا کہ میں رات کو سوتا بھی ہوں، بیویوں کے پاس بھی جاتا ہوں، عبادت بھی کرتا ہوں اور اس طرح روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے لہٰذا اس میں جذباتیت، انتہا پسندی، بے اعتدالی اور غیر متوازن افعال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام ہمیں عبادت و ریاضت، غم وخوشی، غربت و امارت، انفرادیت و اجتماعیت اور دین و دنیا ہر معاملے میں میانہ روی اور اعتدال پسندی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اسلام میں وہ عمل زیادہ محبوب ہے جو تھوڑا ہو مگر مستقل مزاجی کے ساتھ ہو نہ کہ وہ عمل جو بہت زیادہ ہو مگر جذباتی ہو کر چند دن تک سرانجام دیا جائے اور پھر اسے بالکل ترک کر دیا جائے۔ اسلام میں ''کریز'' کا کوئی تصور نہیں کیونکہ کریزی شخص پر جب کریز سوار ہوتا ہے تو وہ اعتدال کی تمام راہیں عبور کر جاتا ہے مثلاً دعوت وتبلیغ کے کام میں لگے گا تو گھر کی راہ ہی بھول جائے گا، ماں باپ کس حال میں ہیں، بیوی بچوں کی ضروریات کیا ہیں، عزیز و اقارب کو کیا مسائل درپیش ہیں، اسے ان چیزوں سے کوئی غرض نہیں ہوتی اور پھر کچھ عرصہ بعد ہی ایسے شخص کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ مسجد کا رخ کرنا ہی بھول

جاتا ہے، پھر یا تو ہر وقت ٹی وی کے آگے بیٹھا رہے گا، یا ہر وقت گیم کھیلتا رہے اور یا پھر دوستیوں اور آوارہ گردی میں وقت ضائع کرتا پھرے گا۔

اسی طرح اسلام ہمیں مال و دولت کے حوالے سے یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر تمہارے پاس بے حساب دولت ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم یہ سوچو کہ میں نے اپنی محنت سے دولت کمائی ہے اور میں اس کا مالک ہوں لہٰذا اسے جس طرح جی چاہے خرچ کروں۔ یہ سوچ غیر اسلامی ہے۔ دوسری بات یہ کہ جس طرح قیامت کے روز اس چیز کا حساب دینا پڑے گا کہ مال کہاں سے کمایا؟ حلال طریقے سے کمایا یا حرام؟ اسی طرح اس کا بھی حساب دینا پڑے گا کہ مال کہاں کہاں خرچ کیا؟ جائز جگہ پر خرچ کیا یا ناجائز؟ اور جب حساب لینے والا رب کائنات ہو تو پھر کون مائی کا لال حساب دے سکتا ہے؟

ایک بات اور کہ جو مال ہم فضول خرچی میں اڑاتے ہیں اگر اسے بچا کر ضرورت مند غریبوں پر خرچ کریں تو کتنوں کی ضروریات پوری ہو جائیں اور ہمیں دنیا و آخرت میں کس قدر اجر ملے گا لیکن عموماً دیکھا یہ گیا ہے کہ امیر لوگ اپنی عیاشیوں، ہوٹلنگ اور سیر سپاٹے پر تو لاکھوں روپے خرچ کر دیتے ہیں لیکن اگر ان سے فی سبیل اللہ کچھ خرچ کرنے کا کہا جائے تو سو بہانے کرتے ہیں کہ آج کل کاروبار نہیں چل رہا، پیسے پھنسے ہوئے ہیں، ہاتھ تنگ ہے وغیرہ وغیرہ۔

یاد رکھیے! آج ہمارے پاس مہلت ہے کہ ہم اپنے مال سے غریبوں کی مدد کر کے اپنے رب کو راضی کر لیں اور فضول خرچی کر کے شیطان کے بھائی نہ بنیں، کل جب قیامت کے روز ہم سے ہماری فضول خرچیوں کا حساب مانگا جائے گا اور غریبوں پر خرچ نہ کرنے پر گرفت کی جائے گی تو پھر ہم کوئی جواب نہیں دے سکیں گے اور انجام کار ہمیں اپنے بھائی شیطان کے ساتھ جہنم میں پھینک دیا جائے گا جو کہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے اور ہر مسلمان کو جہنم سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس سے پناہ مانگنی چاہیے۔

اپنے رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی فضیلت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال کا اور احسان کا اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتا ہے اور منع کرتا ہے بے حیائی سے اور بری بات سے اور کسی پر ظلم کرنے سے اور تم کو (ان امور کی) نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرلو (سورہ نحل: ع ۱۳)۔

حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام پاک میں کئی جگہ صلہ رحمی کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس سے کہ اپنی حاجت طلب کرتے ہو اور رشتوں سے ڈرتے رہو یعنی انہیں جوڑو، توڑو نہیں (سورہ نساء: ع ۱)۔

اس کے علاوہ سورہ بقرہ، سورہ نساء، انعام، انفال، یوسف، ابراہیم، بنی اسرائیل، مریم، طٰہٰ، فرقان، احقاف، نور اور سورہ نوح کے علاوہ بھی بے شمار مقامات پر صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی جگہ جگہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ محسن انسانیت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا:

تین باتیں بالکل حق ہیں۔ نمبر ۱: جس شخص پر ظلم کیا جائے اور وہ چشم پوشی کرے، اس کی عزت بڑھتی ہے، نمبر ۲: جو شخص مال کی زیادتی کے لیے سوال کرے، اس کے مال میں کمی ہوتی ہے، نمبر ۳: جو شخص عطا اور صلہ رحمی کا دروازہ کھول دے، اس کے مال میں اضافہ ہوتا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن رحمٰن کے عرش کے سایہ میں تین قسم کے آدمی ہوں گے: ایک صلہ رحمی کرنے والا کہ اس کے لیے دنیا میں بھی اس کی عمر بڑھائی

جاتی ہے، رزق میں بھی وسعت دی جاتی ہے اور اس کی قبر میں بھی وسعت کردی جاتی ہے، دوسرے وہ عورت جس کا خاوند مر گیا ہو اور وہ چھوٹی اولاد کی پرورش کی خاطر ان کے جوان ہونے تک نکاح نہ کرے تاکہ ان کی پرورش میں مشکلات پیدا نہ ہوں، تیسرے وہ شخص جو کھانا تیار کرے اور یتامیٰ، مساکین کی دعوت کرے۔ نیز فرمایا کہ غریب پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے اور رشتے دار پر صدقہ کرنا صدقہ بھی ہے اور صلۂ رحمی بھی (فضائل صدقات)۔

ایک اور جگہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس عمل کا ثواب اور بدلہ سب سے جلدی ملتا ہے وہ صلہ رحمی ہے۔ بعض آدمی گناہ گار ہوتے ہیں لیکن صلہ رحمی کی وجہ سے ان کے مالوں میں بھی برکت ہوتی ہے اور ان کی اولاد میں بھی (احیاء)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ پر جب تہمت لگائی گئی تو اسے شہرت دینے میں دیگر افراد کے ساتھ حضرت مسطحؓ بھی شامل تھے جو حضرت ابوبکرؓ کے رشتے دار تھے اور ابوبکرؓ ان کی اعانت فرمایا کرتے تھے۔ اس تہمت کے قصے میں شرکت سے حضرت ابوبکرؓ کو بے حد رنج ہوا اور انہوں نے قسم کھالی کہ مسطحؓ کی اعانت نہ کریں گے۔ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی:

اور جو لوگ تم میں بزرگی والے، وسعت والے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دیں گے اور ان کو چاہئے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کردیں۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصوروں کو معاف فرمادے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے (سورہ نور، رکوع ۳، آیت نمبر ۲۲)۔

اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد ابوبکر صدیقؓ نے جتنا پہلے خرچ کرتے تھے، اس کا دوچند کردیا۔

قرآن پاک کی آیات، احادیث مبارکہ اور صحابہ کرامؓ کا طرز عمل بھی ہمارے سامنے ہے اور اپنے طرز عمل سے بھی ہم بخوبی واقف ہیں۔ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو اپنے رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہیں؟ ان کی مالی مدد کرتے ہیں، ان کے کاموں کے سلسلہ میں بھاگ دوڑ کرتے ہیں، ان کے ناروا سلوک کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں، کسی برائی کا بدلہ نہیں لیتے اور ان کی جانب سے زیادتی اور قطع تعلق کے باوجود ان سے تعلق جوڑے رکھتے ہیں اور ہر موقع پر درگزر سے کام لیتے ہیں اور یہ سب کچھ کسی دنیاوی مفاد کے لئے نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔

ہمارا تو یہ حال ہے کہ اگر کوئی رشتے دار ہم سے ایک مرتبہ قطع تعلق کر لے تو ہم سو مرتبہ اس سے قطع تعلق کر لیتے ہیں، اس کی اولاد سے بھی دشمنی قائم کر لیتے ہیں بلکہ جو رشتے دار ان سے تعلق رکھیں، ان کا بھی بائیکاٹ کر دیتے ہیں، ایسی تقریب میں شرکت کرنا گوارا نہیں کرتے جس میں وہ شریک ہوں۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب و پاک دامن بیوی پر تہمت لگانے والوں کی اعانت بند کرنے پر بھی تنبیہ فرما رہا ہے اور تنبیہ بھی کسے، جو انبیاء علیہ السلام کے بعد سب سے افضل ہے مگر افسوس! آج ہم ذرا ذرا سی بات پر اپنے رشتے داروں سے عمر بھر کے لئے تعلقات توڑ لیتے ہیں جبکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کوئی رشتے دار ہمارے ساتھ خواہ کتنا ہی برا سلوک کیوں نہ کرے مگر اس کی یہ بدسلوکی حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی، اسی طرح کوئی شخص کتنا ہی نیک، پارسا اور معزز کیوں نہ ہو مگر وہ صدیق اکبرؓ کے درجے تک پہنچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا پھر وہ کون سا عذر ہے جس کی بناء پر ہم اپنے رشتے داروں سے قطع تعلق کریں یا صلہ رحمی چھوڑ دیں؟

ذرا سوچئے! آج ہم اپنے عزیز و اقارب کو تھوڑے سے حسن سلوک کے ذریعے خوش

کر سکتے ہیں جس سے یقیناً اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوگا مگر کل جب بروز قیامت ہماری بدسلوکی و زیادتیوں پر یہی رشتے دار ہمارا گریبان پکڑیں گے اور مالک یوم الدین کی عدالت میں مقدمہ دائر کریں گے تو وہاں ہم ان کے حقوق کہاں سے ادا کریں گے؟ یہاں پر اپنی ناک ذرا سی نیچے کر لینا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ یوم حشر میں ہماری ناک کٹ جائے اور ہمیں دائمی رسوائی کا سامنا کرنا پڑے۔

ایثار اہل ایمان کی پہچان

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں بڑا دکھی فقیر ہوں (مجھے بھوک بہت ستا رہی ہے)۔ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کے پاس کہلا بھیجا۔ وہاں سے جواب ملا کہ قسم اس پاک ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہمارے ہاں اس وقت کھانے پینے کی کوئی چیز پانی کے سوا نہیں ہے، پھر آپ ﷺ نے اپنے کسی دوسرے گھر میں کہلا کے بھیجا، وہاں سے بھی یہی جواب ملا، پھر ان سب کی طرف سے یہی جواب ملا۔ آپ ﷺ نے صحابہ حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا: تم میں سے کون اس بندہ کو اپنا مہمان بنا سکتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہوگی۔ انصار میں سے ابوطلحہؓ نامی صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کو میں اپنا مہمان بناتا ہوں چنانچہ وہ اس حاجت مند شخص کو اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے کہا کہ کیا تمہارے یہاں کچھ ہے؟ بیوی نے کہا کہ بس اپنے بچوں کا کھانا ہے: اس کے سوا کچھ نہیں ہے (یہاں تک کہ ہم دونوں کے کھانے کیلئے بھی کچھ نہیں ہے)۔ ابوطلحہؓ نے کہا: تو پھر ایسا کرو کہ ان بچوں کو کسی چیز سے بہلا کے (بغیر کھلائے) سلا دو اور جب ہمارا مہمان گھر میں آ جائے تو اس پر یہ ظاہر کرنا کہ ہم بھی کھائیں گے، پھر جب وہ کھانے کیلئے ہاتھ بڑھائے تو تم چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے چراغ کے پاس جانا اور اس کو گل کر دینا چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ پس بیٹھے تو سب لیکن کھانا صرف مہمان نے ہی کھایا اور ان دونوں میاں بیوی اور بچوں نے بھوکے رہ کر رات گزار دی جس پر یہ آیات نازل ہوئی۔

ترجمہ: اور ترجیح دیتے ہیں اپنی جانوں پر اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو۔

احسان کا ایک اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی ایک چیز کا خود حاجت مند ہو لیکن جب کوئی

دوسرا ضرورت مند اس کے سامنے آ جائے تو وہ چیز اسے دے دے اور خود تکلیف اٹھا لے۔ اسی کا نام ایثار ہے اور بلاشبہ اخلاق انسانی میں اس کا بہت بلند درجہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی زندگیاں ایثار و قربانی کے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار واقعات میں سے ایک یہ ہے:

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ایک چادر لے کر آئی اور عرض کیا کہ حضرت! میں یہ چادر آپ کو اڑھانا چاہتی ہوں۔ آپ ﷺ نے وہ چادر قبول فرما کر اوڑھ لی اور آپ ﷺ کی حالت یہ تھی کہ اس وقت آپ ﷺ کو اس کی ضرورت تھی۔ آپ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک صاحب نے آپ ﷺ کو وہ چادر اوڑھے دیکھا تو عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ چادر تو بہت ہی اچھی ہے، یہ تو مجھے عنایت فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بہت اچھا (اور وہ چادر انہیں دے دی) پھر جب آپ ﷺ اس مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تو بعض ساتھیوں نے ان صاحب کو ملامت کی اور کہا: تم نے یہ اچھا نہیں کیا، تم نے دیکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اس کی ضرورت تھی اور آپ ﷺ نے حاجت مندی کی حالت میں یہ چادر اس خاتون سے قبول کی تھی، اس کے باوجود تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو مانگ لیا، حالانکہ تم جانتے ہو کہ آپ ﷺ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ جو چیز بھی آپ ﷺ سے مانگی جائے، آپ ﷺ اس کو دے ہی دیتے ہیں۔ ان صاحب نے عرض کیا: میں نے تو برکت کے خیال سے ایسا کیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پہن لیا تھا۔ اب مجھے امید ہے کہ یہی مبارک چادر میرا کفن بنے گی۔ (صحیح بخاری)

تاریخ اسلام اپنے پیروکاروں کے ایثار و قربانی کے ایسے ایسے واقعات سے مزین ہے کہ انسان انہیں پڑھ کر انگشت بدنداں رہ جاتا ہے اور مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی عش عش کر اٹھتے ہیں مگر صحابہ کرامؓ اور ہمارے اسلاف کے ایمان افروز واقعات صرف

داد دینے یا جھوم اٹھنے کیلئے نہیں بلکہ ان کی پیروی کرنے کیلئے ہیں اور اس کے بغیر دینی ودنیوی کامیابی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

آج اگر ہم اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ایثار، ہمدردی، قربانی، مروت اور احسان جیسے الفاظ فقط ڈکشنری تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں، عملی زندگی میں تو ان کی جھلک بھی دیکھنے کو نہیں ملتی۔ اس کا ایک چھوٹا سا ثبوت شادی بیاہ کی دعوتیں ہیں جہاں کھانا کھلتے ہی اپنے پرائے کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور کچھ دیر قبل ساتھ بیٹھنے اور خوش گپیاں کرنے والے بھی یوں اجنبی بن جاتے ہیں گویا کہ جانتے ہی نہیں۔ اس وقت ہر شخص کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ سب سے پہلے کھانا حاصل کرلے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کسی چیز سے محروم رہ جائے، اسی ہوس میں لوگ اپنی پلیٹیں اس قدر بھر لیتے ہیں کہ اتنا کھانا کئی افراد کیلئے کافی ہوسکتا ہے اور سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ جس کھانے کے لئے مسلمان بھائیوں میں دھکم پیل ہو رہی تھی، ریس لگی ہوئی تھی، فراغت کے بعد وہی کھانا پلیٹوں میں اتنی مقدار میں بچا ہوا ہوتا ہے جو مزید اتنے ہی مہمانوں کیلئے کافی ہوسکتا ہے، رزق کی اسی ناقدری و بے حرمتی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم ایک زرعی ملک ہونے کے باوجود آٹے، چینی، چاول اور دالوں جیسی بنیادی زرعی اجناس کی قلت کا شکار ہیں اور انتہائی مہنگے داموں خریدنے پر مجبور ہیں حتیٰ کہ کتنے ہی لوگ قوت خرید ختم ہو جانے کی وجہ سے بچوں سمیت خودکشیاں کر رہے ہیں، اپنے جگر گوشوں کو فروخت کر رہے ہیں۔

کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم دعوتوں میں اپنی پلیٹوں میں اتنا ہی کھانا نکالیں جتنا بآسانی کھا سکیں۔ اول تو میزبان احتیاطاً کھانا زیادہ ہی پکواتے ہیں اور اگر پھر بھی کسی وجہ سے کھانا کم پڑ جائے تب بھی زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا؟ یہی ناں کہ ہم حلق تک بھر کے نہیں کھا سکیں گے تو ایک مرتبہ تھوڑا کم سہی! کم از کم ہم ایذاء مسلم، دھکم پیل، حرص، دوسروں کا حق مارنے، رزق کی ناقدری وضیاع، ضرورت سے زائد کھانے، خودغرضی اور میزبان کی سُبکی

کا باعث بننے جیسے گناہوں سے تو بچ جائیں گے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب ہم ایک وقت کے کھانے میں مروت، ایثار و قربانی کا مظاہرہ نہیں کرسکتے تو اس سے کہیں زیادہ اہم مواقع پر ہم سے ایثار کی کیا توقع رکھی جاسکتی ہے؟

ہمارا تو من حیث القوم یہ حال ہے کہ ہر شخص دوسرے کا حق مارنے میں لگا ہوا ہے، خواہ وہ رشوت کے ذریعے ہو، سود کے ذریعے ہو، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی، ناجائز منافع خوری یا ذخیرہ اندوزی کے ذریعے ہو۔ ہر ایک کا ٹارگٹ یہی ہے کہ میرے پاس سب کچھ آجائے، خواہ اس کے لئے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے، میرے دسترخوان پر عمدہ عمدہ کھانے ہوں، چاہے پڑوسی کو سوکھی روٹی بھی میسر نہ ہو، میری تجوریاں بھر جائیں، بھلے دوسرے مسلمان بھائیوں کا گلا ہی کیوں نہ کاٹنا پڑے۔ کیا یہی رحمت اللعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے؟ کیا یہی صحابہ کرامؓ کا اتباع ہے؟ کیا یہی ہمارے اسلاف کا طریقہ ہے؟ کیا یہی ہمارے بزرگوں کا راستہ ہے؟۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں میں ایثار و قربانی کا جذبہ عروج پر تھا، وہ خود بھی اقوام عالم میں عروج پر تھے اور اکناف عالم میں ان ہی کا سکہ چلتا تھا۔ وہ جس قدر ایثار سے کام لیتے ہوئے اپنے مفادات وضروریات کو دوسرے مسلمان بھائیوں پر قربان کرتے تھے اسی قدر دنیا کے خزانے ان کے قدموں میں آپڑتے تھے مگر جوں جوں مسلمان خودغرض اور مفاد پرست ہوتے چلے گئے توں توں ذلت ورسوائی کے گڑھوں میں گر کر دوسری اقوام کے دست نگر بنتے چلے گئے اور آج یہ حال ہے کہ تمام تر وسائل کے باوجود ہم غلاموں والی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ یاد رکھئے! جب تک مسلمانوں میں دوبارہ جذبۂ ایثار و قربانی پروان نہیں چڑھے گا اس وقت تک نہ تو ہم انفرادی طور پر ایک کامیاب و باعزت زندگی گزار سکتے ہیں اور نہ ہی اجتماعی طور پر۔

خالق کائنات کو قرض دینے کی سعادت حاصل کیجئے

خالق کائنات کا فرمان عالی شان ہے:

کون ہے ایسا شخص جو اللہ جل شانہ کو قرض دے اچھی طرح قرض دینا، پھر اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر بہت زیادہ کردے (اور خرچ کرنے سے تنگی کا خوف نہ کرو) کہ اللہ جل شانہ ہی تنگی اور فراخی کرتے ہیں اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (سورۃ البقرہ: ع۳۲)۔

حضرت ابوالدحداح انصاریؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک۔ وہ عرض کرنے لگے: اپنا دست مبارک مجھے پکڑا دیجیے۔ حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ انہوں نے معاہدے کے طور پر حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے اپنا باغ اپنے اللہ کو قرض دے دیا، ان کے باغ میں چھ سو درخت کھجوروں کے تھے اور اسی باغ میں ان کے بیوی، بچے رہتے تھے۔ یہاں سے اٹھ کر پھر اپنے باغ میں گئے اور اپنی بیوی ام دحداحؓ سے آواز دے کر کہا کہ چلو اس باغ سے نکل چلو، یہ باغ میں نے اپنے رب کو دے دیا۔

ہر شخص اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا مالک بھی ہے اور خالق بھی اور دونوں جہاں کے خزانے اسی کی ملکیت ہیں اس کے باوجود رب کائنات کی جانب سے صدقہ کو قرض سے تعبیر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ صدقہ کرنے والا یہ یقین رکھے کہ جس طرح قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ صدقہ وخیرات کرنے والے کو اس کا بدلہ ضرور دیتا ہے، اِس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی اور یہ بھی اس کا اپنے بندوں پر احسان عظیم ہے کہ اسی نے مال دیا اور پھر اپنا ہی دیا ہوا مال بطور قرض مانگ رہا ہے اور احسان در احسان یہ کہ اس کا بدلہ بھی سینکڑوں، ہزاروں گنا بڑھا کر دینے

کا وعدہ فرما رہا ہے۔ جیسا کہ خالق کائنات نے خود ہی وضاحت فرمادی:

جو لوگ اللہ کے راستے میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک دانہ ہو جس میں سات بالیں اگی ہوں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں (تو ایک دانے سے سات سو دانے بن گئے) اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے (اس سے بھی) زیادہ عطا فرمادیتا ہے اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا ہے اور جاننے والا ہے (کہ خرچ کرنے والے کی نیت کا حال بھی اسے خوب معلوم ہے)۔ (سورۃ البقرہ۔ ع۳۶)۔

ایک اور حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! اپنا خزانہ میرے پاس امانت رکھوادے، نہ اس میں آگ لگنے کا اندیشہ ہے نہ غرق ہو جانے کا اور نہ چوری کا، میں ایسے وقت میں وہ تجھ کو پورا کا پورا واپس کروں گا جس وقت تجھے اس کی انتہائی ضرورت ہوگی (درمنثور)۔

ضرورت کا دن آج یا روز قیامت

حضرت ابوذر غفاریؓ کے بہت سے مویشی تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان میں بہت برکت عطا فرمائی تھی۔ قبیلہ بن سلیم کے ایک شخص نے آ کر آپ سے عرض کیا کہ میں آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں اور تو کچھ نہیں کر سکتا البتہ آپ کے چرواہے کی کچھ مدد کر دیا کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ میرا دوست، رفیق اور ساتھی وہ ہے جو میری اطاعت کرے، اگر کر سکتے ہو تو شوق سے رہ سکتے ہو۔

اس شخص نے عرض کیا کہ آپ کس کس کام میں اطاعت چاہتے ہیں؟ فرمایا کہ بس آپ کی اطاعت یہ ہے کہ جب میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کرنے کا حکم دوں تو بہتر سے بہتر مال خرچ کیا جائے۔ اس نے قبول کر لیا اور وہاں رہنے لگا۔

ایک روز ابوذرؓ سے کسی نے عرض کیا کہ فلاں طرف جنگل میں کچھ غریب لوگ رہتے ہیں، کھانے کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں۔ آپ نے اپنے رفیق سلیمی سے فرمایا کہ میرے اونٹوں میں سے ایک اونٹ لے آؤ چنانچہ وہ جنگل گئے اور بہترین اونٹ منتخب کیا جو نہایت طاقتور، جوان، خوبصورت اور سواری میں نہایت فرمانبردار تھا لیکن پھر دل میں سوچا کہ یہ اونٹ تو خود حضرت کی سواری اور دیگر متعلقین کے لیے مفید اور کارآمد ہے۔ غریبوں کے کھلانے کے لیے ایسے اچھے اونٹ کی کیا ضرورت ہے، گوشت تو سب کا برابر ہی ہوتا ہے لہٰذا وہ اونٹ چھوڑ دیا اور ایک اونٹنی جو اس اونٹ سے تو ذرا کم تھی مگر باقی تمام اونٹوں سے بہتر تھی، لے کر حاضر خدمت ہوئے۔

آپ نے دیکھتے ہی فرمایا۔ سلیمی تم نے خیانت کی۔ وہ سمجھ گئے اور واپس آ کر وہی بہترین اونٹ لے گئے۔ آپ نے اسے ذبح کرایا اور رفقاء سے فرمایا کہ اس بستی میں جتنے لوگ ہیں ان سب کے گھر شمار کر لو اور ان کے ساتھ ہی ابوذر کا (میرا) مکان بھی گن لو اور اس گوشت کو سب کے گھروں میں مساوی تقسیم کر دو مگر دیکھنا ابوذر کے گھر میں زیادہ

نہ دینا۔ بعد میں اپنے دوست سلیمی کو بلا کر فرمایا کہ تم نے اللہ کی راہ میں عمدہ مال خرچ کرنے کا جو وعدہ مجھ سے کیا تھا، جان بوجھ کر اس کی مخالفت کی یا بھولے سے؟

سلیمی نے عرض کیا کہ بھولا تو نہیں تھا، وعدہ خوب یاد ہے لیکن میں نے خیال کیا کہ یہ اونٹ حضرت کی ضرورت کا ہے اس لیے میں دانستہ اسے چھوڑ آیا تھا۔ فرمایا کہ صرف میری ضرورت کی وجہ سے چھوڑ آئے تھے؟ عرض کیا: جی ہاں! صرف آپ کی ضرورت کی وجہ سے۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا: اپنی ضرورت کا دن بتاؤں؟ یاد رکھو! میری ضرورت کا دن وہ ہے جس روز مجھے قبر کے گڑھے میں اکیلا ڈال دیا جائے گا، جس دن میرے ساتھ میرے دوست احباب، عزیز و اقارب میں سے کوئی نہ ہوگا، میرا مال و دولت سب یہیں رہ جائے گا اور میں وہاں تنہا رہوں گا۔ وہ ہے میری ضرورت کا دن۔

عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (قیامت میں) تم میں سے ہر شخص سے اس کا پروردگار اس طرح بلا واسطہ اور دو بدو کلام فرمائے گا کہ نہ درمیان میں کوئی ترجمان ہوگا، نہ کوئی پردہ حائل ہوگا۔ پس جب نظر کرے گا اپنی داہنی جانب تو سوائے اپنے اعمال کے کچھ نہ دیکھے گا اور ایسے ہی جب نظر کرے گا بائیں جانب تو سوائے اپنے اعمال کے کچھ اس کو نظر نہ آئے گا اور جب سامنے نظر دوڑائے گا تو اپنے روبرو آگ ہی آگ دیکھے گا۔ پس اے لوگو! دوزخ کی آگ سے بچو، اگرچہ خشک کھجور کے ایک ٹکڑے ہی کے ذریعے (اس سے بچنے کی فکر کرو) (صحیح بخاری و مسلم)۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب سے قرآن و حدیث بھرے ہوئے ہیں اور جگہ جگہ اہل ایمان کو انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت دی گئی ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا یہ ایمان ہے کہ ہمارے پاس جس قدر بھی مال و دیگر نعمتیں ہیں وہ ہمارے رب کی عطا کردہ ہیں لہٰذا انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر ہمیں بغیر کسی اجر اور بدلے کے اپنا مال اللہ کو واپس

کرنے یعنی اس کی راہ میں خرچ کا حکم دیا جاتا تو ہم بخوشی اسے قبول کرتے اور اسے اس شکریے کے ساتھ واپس کرتے کہ یا اللہ تو نے ہی دیا تھا، اب اس کی واپسی کا حکم ہوا ہے تو یہ امانت حاضر ہے اور تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں اتنے عرصے تک اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع عطا فرمایا مگر جیسا کہ خالق کائنات نے فرمایا کہ انسان حریص بھی ہے، جلد باز بھی ہے، ناشکرا بھی ہے اور جلد ہی جزع فزع شروع کر دیتا ہے لہٰذا رب کریم نے ہمیں ایسی آزمائش میں ڈالنے کے بجائے اس طرح حکم دیا کہ:

کون شخص ہے ایسا جو اللہ کو قرض حسنہ دے پھر اللہ تعالیٰ اس کے ثواب کو اس کے لیے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے لیے بہترین بدلہ ہے (سورۂ حدید۔ رکوع ۲)۔

نیز فرمایا کہ:

بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور (یہ صدقہ دینے والے) اللہ جل شانہ کو قرض حسنہ دے رہے ہیں، ان کا ثواب بڑھایا جائے گا اور ان کے لیے نفیس اجر ہے (سورۃ الحدید: رکوع ۲)۔

صدقہ دنیا میں بلاؤں کو دور کرتا ہے جبکہ قامت کے روز ہر شخص اپنے صدقہ کے سائے میں ہوگا، صدقہ عمر کو بڑھاتا اور بری موت کو دور کرتا ہے۔ غرض صدقہ کرنے کے اس قدر فضائل ہیں کہ جو اس کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے وہ ایسا سخی بن جاتا ہے کہ لوگ اس کی سخاوت کو دیکھ کر حیرت سے دانتوں میں انگلیاں دبا لیتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے اس حقیقت کو پالیا تھا کہ جو کھا پی لیا وہ ختم ہو گیا، جو پیچھے چھوڑ دیا وہ ورثاء کا ہو گیا اور جو صدقہ کر دیا وہ جمع ہو گیا۔

کنویں سے جتنا پانی نکالا جائے اتنا ہی اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور مزید یہ کہ اس کا پانی شیریں اور ٹھنڈا ہوتا جاتا ہے اور اگر اس کا پانی یوں ہی جمع رہنے دیا جائے تو آخر کار وہ کنواں برباد ہو جاتا ہے اور اس کا پانی پینے کے قابل ہی نہیں رہتا، یہی مثال مال

کی بھی ہے کہ جتنا اللہ کی راہ میں خرچ کرو اتنا ہی بڑھتا ہے اور اگر روک کر رکھو تو خود بھی برباد ہوتا ہے اور اپنے مالک کو بھی برباد کر دیتا ہے۔

جب ہی تو رب کائنات نے فرمایا کہ:

سود سے مال گھٹتا ہے اور صدقہ سے بڑھتا ہے۔

اس کے باوجود ہم یا تو خرچ کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے اور اگر اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتے ہیں تو وہ ردی مال جسے ہم کسی شریف آدمی کو نہیں دے سکتے۔ ایسا کر کے ہم کسی اور کو نہیں خود کو دھوکا دے رہے ہیں اور خود کو دھوکا دینے کا انجام ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر رب العالمین چاہتا تو جس کے مقدر میں جتنا رزق لکھا ہے، وہ اسے براہ راست عطا فرماتا مگر قربان جاؤں اپنے پیارے رب کے جس نے بہت سے غریبوں کے حصے کا رزق امیروں کو دے کر انہیں یہ اعزاز بخشا کہ لو تم تقسیم کرو اور ایک طرف تو مفت میں نیک نامی حاصل کرو جبکہ دوسری جانب ایسی نیکی کماؤ جو قیامت تک پھلتی پھولتی ہی رہے یعنی ''ہم خرما و ہم ثواب''۔ ایسا مالک کہاں ملے گا جو اپنے غلاموں کو مال دے کر ان کے ہاتھ سے تقسیم کروائے اور پھر لوگوں کی زبانوں پر اس کی سخاوت کے چرچے بھی کروائے اور قیامت کے روز بھی اربوں، کھربوں انسانوں کے سامنے اس کی سخاوت کا چرچا کرے اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کی اس سخاوت کو بہانہ بنا کر اسے جنت میں بھی داخل کر دے۔ اللہ اکبر!

صدقہ بلاؤں کو دور کرتا ہے

محسن انسانیت ﷺ کا فرمان ہے:

صدقہ کرنے میں جلدی کیا کرو اس لیے کہ بلا صدقہ کو پھاند نہیں سکتی (مشکوٰۃ شریف)۔

یعنی اگر انسان پر کوئی مصیبت آنے والی ہو یا کوئی بلاء نازل ہونے والی ہوتی ہو تو وہ صدقہ کی وجہ سے ٹل جاتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ:

صدقہ سے بیماریوں کا علاج کیا کرو کہ صدقہ آبروریزیوں کو بھی ہٹاتا ہے اور بیماریوں کو بھی ہٹاتا ہے اور نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے اور عمر بڑھاتا ہے (کنز العمال)۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

صدقہ کرنا ستر بلاؤں کو روکتا ہے جن میں کم سے کم درجہ جزام اور برص کی بیماری ہے (کنز العمال)۔

اپنے تفکرات اور غموں کی تلافی صدقہ سے کیا کرو، اس سے حق تعالیٰ شانہ تمہاری مضرت کو بھی دفع کرے گا اور دشمن پر تمہاری مدد کرے گا (کنز العمال)۔

جب کوئی شخص کسی مسلمان کو کپڑا پہنائے تو جب تک پہننے والے کے بدن پر ایک بھی ٹکڑا اس کپڑے کا رہے گا، پہنانے والا اللہ کی حفاظت میں رہے گا (کنز العمال)۔

صبح کو سویرے سویرے صدقہ کیا کرو اس لیے کہ بلاء صدقہ سے آگے نہیں بڑھتی (ترغیب)۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ کنجوس آدمی ہمیشہ مصائب کا شکار رہتا ہے، جو شخص اللہ کے نام پر محتاجوں کو نہیں دیتا اس کا مال ڈاکو، ڈاکٹر، مکینک، رشوت خور اور عدالتی اہلکار کھاتے رہتے ہیں، کبھی بیماریاں پیچھا نہیں چھوڑتیں، کبھی دیگر حادثات اور پریشانیاں

اس کے گھر کا رستہ دیکھ لیتی ہیں جن کی وجہ سے وہ مال جو فی سبیل اللہ خرچ ہو کر صاحب مال کے لیے دنیا و آخرت کا ذخیرہ بن سکتا تھا، نہ صرف یہ کہ ادھر ادھر ضائع ہوتا ہے بلکہ بیماریوں و پریشانیوں کا سبب بھی بنتا ہے۔ اگر یہی مال اللہ تعالیٰ کے بینک میں جمع کروا دیا جاتا تو نہ صرف یہ کہ مال محفوظ ہو جاتا بلکہ اس پر دنیا و آخرت میں کئی گنا منافع بھی ملتا۔

صدقہ دنیا میں بلاؤں کو دور کرتا ہے جبکہ قیامت کے روز ہر شخص اپنے صدقہ کے سائے میں ہوگا، صدقہ عمر کو بڑھاتا اور بری موت کو دور کرتا ہے۔ غرض صدقہ کرنے کے اس قدر فضائل ہیں کہ جو اس کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے وہ ایسا سخی بن جاتا ہے کہ لوگ اس کی سخاوت کو دیکھ کر حیرت سے دانتوں میں انگلیاں دبا لیتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے اس حقیقت کو پا لیا تھا کہ جو کھا پی لیا وہ ختم ہو گیا، جو پیچھے چھوڑ دیا وہ ورثاء کا ہو گیا اور جو صدقہ کر دیا وہ جمع ہو گیا۔

قیامت کا دن ہمارے تصور سے بھی زیادہ سخت اور کٹھن ہوگا، جس دن ہمارے جیسے گناہگار مسلمان ہی نہیں، بڑے بڑے اولیاء اللہ، صحابہ کرامؓ حتیٰ کہ انبیاءؑ جو معصوم بھی ہیں اور بخشے بخشائے بھی، سب کے سب رب کائنات کے غضب سے تھر تھر کانپ رہے ہوں گے اور نیک سے نیک شخص کو بھی یہ دھڑکا لگا ہوگا کہ نہ جانے کس بات پر میری گرفت ہو جائے؟ لیکن ایسے سخت دن کے حوالے سے بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو قرآن پاک میں یہ خوش خبری سنائی گئی ہے کہ:

جو لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں رات دن پوشیدہ اور کھلم کھلا ان کے لیے ان کے رب کے پاس اس کا ثواب ہے اور قیامت کے دن نہ ان کو کوئی خوف ہوگا نہ وہ مغموم ہوں گے (سورۃ البقرہ۔۳۸)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات قسم کے آدمی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا' اس دن جس

دن اس کے سایۂ رحمت کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہیں ہوگا۔ ایک عدل وانصاف سے حکمرانی کرنے والا فرمان روا' دوسرا وہ جوان جس کی نشو ونما اللہ کی عبادت میں ہو' تیسرا وہ مرد مومن جس کا حال یہ ہے کہ مسجد سے باہر جانے کے بعد بھی اس کا دل مسجد ہی میں اٹکا رہتا ہے جب تک کہ پھر مسجد میں نہ آ جائے' چوتھے وہ دو آدمی جنہوں نے اللہ کے لئے باہم محبت کی' اسی پر جڑے رہے اور اسی پر الگ ہوئے' پانچواں خدا کا وہ بندہ جس نے اللہ کو یاد کیا تنہائی میں تو اس کے آنسو بہہ پڑے' چھٹا وہ مرد خدا جسے حرام کی دعوت دی کسی ایسی عورت نے جو خوبصورت بھی ہے اور صاحب وجاہت وعزت بھی' تو اس بندے نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں (اس لئے حرام کی طرف قدم نہیں اٹھا سکتا) اور ساتواں وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں کچھ صدقہ کیا اور اس قدر چھپا کر کیا کہ گویا اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں کہ اس کا داہنا ہاتھ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کر رہا ہے اور کس کو دے رہا ہے؟ (صحیح بخاری ومسلم)۔

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا:

اور دوڑو اس بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور دوڑو اس جنت کی طرف جس کا پھیلاؤ سارے آسمان اور زمین ہیں جو تیار کی گئی ہے ایسے متقی لوگوں کے لیے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں فراخی میں بھی اور تنگی میں بھی اور غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں کی خطاؤں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں احسان کرنے والوں کو (سورہ آل عمران۔ ع ۱۴)۔

بعض صحابہ کرامؓ بنی اسرائیل کی اس بات پر رشک کیا کرتے تھے کہ جب ان میں سے کوئی شخص گناہ کرتا تو اس کے دروازہ پر وہ گناہ لکھا ہوا ہوتا اور اس کا کفارہ بھی کہ فلاں کام اس گناہ کے کفارہ میں کیا جائے مثلاً ناک کاٹ دی جائی یا کان کاٹ دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ ان حضرات کی نظر میں اللہ کی نافرمانی اس قدر سخت تھی کہ ایسی تکلیف دہ سزاؤں

اور دنیا میں رسوائی کو بھی آخرت کے عذاب کے مقابلے میں ہلکا تصور کرتے تھے۔ ان حضرات کے اس رشک پر اس ارحم الراحمین نے اپنے فضل وکرم سے یہ آیت نازل فرمائی کہ ایسے کاموں کی طرف دوڑو جن سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت میسر ہو جائے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والوں، غصہ کو ضبط کرنے والوں اور احسان کرنے والوں کو متقی قرار دیا گیا ہے اور تقویٰ ہی دین کی بنیاد اور رب کائنات کی قربت کا بہترین ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بے شمار جگہ اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ جنت متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے اور تقویٰ کو ہر نیکی کی جڑ قرار دیا ہے جیسا کہ قربانی کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اللہ تعالیٰ کو ان (قربانیوں کا) گوشت اور خون نہیں پہنچتا لیکن اس کو تو تمہارے دل کا تقویٰ پہنچتا ہے (سورۃ الحج۔ ۳۷)۔

انفاق فی سبیل اللہ، ایمان کی نشانی

رب العالمین نے اپنے کلام پاک میں ایمان والوں کی ایک نشانی یہ بھی بتائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال میں سے فی سبیل اللہ خرچ کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

بس ایمان والے تو وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر آ جائے تو (اس کی عظمت کے خیال سے) ان کے دل ڈر جائیں اور جب اللہ جل شانہ کی آیتیں ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ مضبوط کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (اللہ کے واسطے) خرچ کرتے ہیں۔ بس یہی ہیں سچے ایمان والے، ان کے لیے بڑے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور ان کے لیے مغفرت ہے اور ان کے لیے عزت کی روزی ہے (انفال۔ ع ۱)۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں چار خوش خبریاں سنائی ہیں: پہلی یہ کہ یہی سچے ایمان والے ہیں، دوسری یہ کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بڑے بڑے درجات ہیں، تیسری یہ کہ ان کے لیے رب کائنات کی جانب سے مغفرت ہے اور چوتھی یہ کہ ان کے لیے عزت کی روزی ہے اور یہ چاروں چیزیں ایسی ہیں کہ جسے نصیب ہو جائیں، دنیا میں اس سے زیادہ خوش نصیب اور کون ہو سکتا ہے؟

صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا

بعض کم عقل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں گے تو ہمارا مال کم ہو جائے گا اور ہم پہلے کے مقابلے میں غریب ہو جائیں گے۔ اسی طرح بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ میں نے اپنی عقل اور محنت سے کمایا ہے، میری دولت، ذہانت، قابلیت، صلاحیت، بروقت فیصلوں، کارگر تدابیر اور ہوشیاری کا نتیجہ ہے۔ ایسی سوچ کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتی اور یہ سراسر حماقت اور گھاٹے کا سودا اور قارون جیسے اللہ کے دشمنوں والی سوچ کے مماثل ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ ؑ نے جب اپنے چچازاد بھائی قارون سے کہا کہ وہ اپنے مال پر اترانے کے بجائے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو تو بھی اس کے بندوں پر احسان کر تو قارون نے اکڑتے ہوئے جواب دیا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے۔ آخر کار سرکشی و نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قارون کو اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا جبکہ آخرت کا دائمی عذاب اس کے علاوہ ہے (خلاصہ سورہ قصص: ع ۸)۔

خالق کائنات نے ان تمام خودساختہ اور غیر حقیقی خیالات کو رد کرتے ہوئے فرمایا:

آپ کہہ دیجیے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے روزی کی وسعت عطا کرتا ہے اور جس کو چاہے روزی کی تنگی دیتا ہے اور جو کچھ تم (اللہ کے راستے میں) خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا کرے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے (سورہ سبا: ع ۵)۔

اس آیت میں رب کائنات نے انسانوں کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ وہ اپنی محنت اور ذہانت سے دولت کماتے ہیں بلکہ وضاحت فرما دی کہ اللہ ہی جس کے لیے چاہتا ہے روزی میں وسعت عطا فرماتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے روزی تنگ کر دیتا ہے اور اگر غور کیا جائے تو اس دنیا میں بھی بے شمار ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بہت سے لوگ ذہانت میں بھی

دوسروں سے ممتاز نظر آتے ہیں اور محنت بھی زیادہ کرتے ہیں لیکن وہ ہمیشہ غریب ہی رہتے ہیں جبکہ اس کے مقابلے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو نہ تو ذہین ہیں اور نہ ہی محنت کے عادی ہیں لیکن ان پر دولت بارش کی طرح برس رہی ہے کیونکہ رب العالمین ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کسے دولت دینا چاہئے اور کسے نہیں۔

دوسری بات اس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ تنگی اور فراخی مالک دو جہاں کی جانب سے ہے، روک روک کر خرچ کرنے سے آدمی دولت مند نہیں ہو جاتا اور فی سبیل اللہ زیادہ خرچ کرنے سے آدمی غریب نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کیا جائے اس کا بدلہ آخرت میں تو ملتا ہی ہے، دنیا میں بھی اکثر اس کا بدلہ ملتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے اللہ جل شانہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ میرے بندو! میں نے تم کو اپنے فضل سے عطا کیا اور تم سے قرض مانگا پس جو شخص مجھے اپنی خوشی اور رضا و رغبت سے دے گا میں اس کا بدل دنیا میں جلدی دوں گا اور آخرت میں اس کے لیے ذخیرہ بنا کر رکھوں گا۔

حضرت ابن عباسؓ حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ صدقہ کرنا مال کو کم نہیں کرتا اور جب کوئی شخص صدقہ کرنے کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہے تو وہ مال فقیر کے ہاتھ میں جانے سے پہلے اللہ جل شانہ کے ہاتھ میں جاتا ہے (یعنی فوراً قبول کر لیا جاتا ہے)۔ (ترغیب)۔

حضرت ابوسلمہؓ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، پس صدقہ کیا کرو (درمنثور)۔

عموماً لوگوں کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اگر ہم نے اپنے مال کو ضرورت مندوں و محتاجوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا تو رفتہ رفتہ ہمارا مال کم ہوتا چلا جائے گا اور ایک دن ہم بھی ان ہی محتاجوں کی فہرست میں شامل ہو جائیں گے۔ ایسے لوگ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ہمارے پس جو مال ہے وہ بھی تو ہمیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے لہٰذا جو ہمیں پہلی مرتبہ مال دے سکتا ہے کیا وہ دوبارہ نہیں دے سکتا؟ بالخصوص اس حالت میں جبکہ ہم اسی کے حکم پر عمل کرتے ہوئے

اپنا مال اس کے محتاج بندوں پر خرچ کریں لہٰذا انسان کی اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے محسن انسانیت ﷺ نے فرمایا:

روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے (آسمان سے) اترتے ہیں، ایک دعا کرتا ہے: اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما، دوسرا دعا کرتا ہے: اے اللہ روک کر رکھنے والے کا مال برباد کر (متفق علیہ، مشکوٰۃ شریف)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آسمان میں دو فرشتے ہیں جن کے ذمہ صرف یہی کام ہے، کوئی دوسرا کام نہیں ہے۔ ایک کہتا رہتا ہے: یا اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما، دوسرا کہتا ہے: یا اللہ! روک کر رکھنے والے کو ہلاکت عطا فرما (کنز)۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ بربادی کبھی تو بعینہٖ اسی مال کی ہوتی ہے اور کبھی صاحب مال کی یعنی وہ خود ہی چل دیتا ہے اور کبھی بربادی نیک اعمال کے ضائع ہونے سے ہوتی ہے کہ وہ اس میں پھنس کر نیک اعمال سے جاتا رہتا ہے اور اس کے مقابل جو خرچ کرتا ہے اس کے مال میں برکت ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ:

کنویں سے جتنا پانی نکالا جائے اتنا ہی اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور مزید یہ کہ اس کا پانی شیریں اور ٹھنڈا ہوتا جاتا ہے اور اگر اس کا پانی یوں ہی جمع رہنے دیا جائے تو آخر کار وہ کنواں برباد ہو جاتا ہے اور اس کا پانی پینے کے قابل ہی نہیں رہتا، یہی مثال مال کی بھی ہے کہ جتنا اللہ کی راہ میں خرچ کرو اتنا ہی بڑھتا ہے اور اگر روک کر رکھو تو خود بھی برباد ہوتا ہے اور اپنے مالک کو بھی برباد کر دیتا ہے۔

جب ہی تو رب کائنات نے فرمایا کہ سود سے مال گھٹتا ہے اور صدقہ سے بڑھتا ہے اس کے باوجود ہم یا تو خرچ کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے اور اگر اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتے ہیں تو وہ ردی مال جسے ہم کسی شریف آدمی کو نہیں دے سکتے۔ ایسا کر کے ہم کسی اور کو نہیں خود کو دھوکا دے رہے ہیں اور خود کو دھوکا دینے کا انجام ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے۔

مال اس امت کے لیے فتنہ ہے

اللہ تعالیٰ نے مال اور اولاد کو اس امت کے لیے فتنہ قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا:

اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جو ایسا کرے گا تو ایسے ہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس سے پہلے پہلے خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے اور وہ کہنے لگے: اے میرے رب مجھ کو تھوڑے دن کی مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیرات کر دیتا اور نیک لوگوں میں ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو بھی جب اس کی موت کا وقت آ جائے، ہرگز مہلت نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے (سورۃ المنافقون: ع ۲)۔

گذشتہ اقوام کو رب کائنات نے مختلف فتنوں میں مبتلا فرمایا تھا۔ اس امت کے لیے مالک دو جہاں نے مال اور اولاد کو فتنہ قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عموماً انسان جتنی بھی ہیرا پھیریاں کرتا ہے اور حرام ذرائع سے مال کماتا ہے، اس کا بنیادی سبب مال اور اولاد سے محبت ہوتی ہے یعنی یا تو وہ اس لیے حصول مال کو ہی مقصد حیات بنا لیتا ہے کہ میں امیر ترین شخص بن جاؤں یا پھر وہ یہ چاہتا ہے کہ میری زندگی میں بھی اور میرے مرنے کے بعد بھی میری اولاد عیش کی زندگی گزارے حتیٰ کہ بعض اوقات ایک نیک و متقی انسان بھی اس وقت ڈانواڈول ہونے لگتا ہے جب وہ اپنے بچوں کو غربت کی وجہ سے بھوک سے تڑپتا ہوا دیکھتا ہے، دوا علاج کے لیے ترستا ہوا دیکھتا ہے یا کپڑوں، جوتوں کے لیے مچلتا ہوا دیکھتا ہے اور یہی وہ آزمائش ہے جس پر پورا اترنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ عموماً انسان ایک طرف تو حصول مال اور اولاد کی وجہ سے مصروف ہو کر احکام خداوندی کی بجا آوری میں کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے جبکہ دوسری جانب مال اور اولاد کی محبت اسے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتی ہے۔ شیطان اسے یہ

پٹیاں پڑھاتا ہے کہ اگر میں نے یہ مال صدقہ، خیرات کرنا شروع کر دیا، لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا تو میرا مال کم ہو جائے گا، میں غریب ہو جاؤں گا وغیرہ وغیرہ جبکہ اس کے برعکس اس کائنات اور اس میں موجود تمام خزانوں کا حقیقی خالق و مالک یہ اعلان فرما رہا ہے کہ صدقہ، خیرات سے، لوگوں میں بانٹنے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ اور بڑھتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

تین چیزیں میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں..... ان میں سے اول یہ ہے کہ کسی بندہ کا مال صدقہ کرنے سے کم نہیں ہوتا اور دوسری یہ ہے کہ جس شخص پر ظلم کیا جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو حق تعالیٰ شانہ اس صبر کی وجہ سے اس کی عزت بڑھاتے ہیں اور تیسری یہ ہے کہ جو شخص لوگوں سے مانگنے کا دروازہ کھولے گا، حق تعالیٰ شانہ اس پر فقر کا دروازہ کھولتے ہیں (مشکوٰۃ بروایت ترمذی)۔

مال کے فتنہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ صاحب مال کے لیے ایک آزمائش ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو مال دے کر آزماتا ہے اور کسی کو نہ دے کر لیکن حقیقی مومن وہی ہے جو ہر آزمائش میں پورا اترے۔ خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

غنیٰ میں اس شخص کے لیے نقصان نہیں جو اللہ سے ڈرتا رہے (مشکوٰۃ)۔

اور صحابہ کرامؓ نے اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا جیسا کہ حضرت عثمان غنیؓ کے وصال کے وقت خزانچی کے پاس ان کی ڈیڑھ لاکھ اشرفیاں اور دس لاکھ درہم تھے اور جائیداد خیبر وادی قریٰ وغیرہ بھی تھی جس کی قیمت دو لاکھ دینار تھی، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مال کی قیمت پچاس ہزار دینار تھی اور ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار غلام بھی چھوڑے تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے تین لاکھ دینار چھوڑے تھے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے مال کا تو شمار ہی مشکل ہے، اس کے باوجود رب کائنات نے ان کی تعریف قرآن پاک میں یوں بیان فرمائی ہے:

اپنے رب کی عبادت صبح و شام (یعنی ہمیشہ) محض اس کی رضا جوئی کے واسطے

کرتے ہیں (سورہ کہف: ع۴)۔

یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کو تجارت وغیرہ اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی (سورہ نور: ع۵)۔

یہ لوگ صاحب مال تو تھے لیکن مال سے محبت کرنے والے نہیں تھے بلکہ اپنے مال کو دین کی سربلندی اور اپنی آخرت سنوارنے کے لیے خرچ کرتے تھے لہٰذا مال ان کے لیے دونوں جہاں کی کامیابی کا ذریعہ بن گیا۔

9ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رومی لشکر کی جنگی تیاریوں اور حملے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے بھی صحابہ کرامؓ کو تیاری کا حکم دیا' کم وبیش 30 ہزار کا لشکر جرار جمع ہو گیا۔ قحط سالی کے باعث تنگ دستی کا زمانہ تھا۔ آپ ﷺ نے لشکر کی مالی امداد کے لئے صاحب حیثیت صحابہ کرامؓ سے اپیل کی تو ہر شخص نے بقدر حیثیت تعاون کیا۔ عثمان غنیؓ چونکہ سب سے زیادہ دولت مند تھے۔ لہٰذا آپؓ نے سات سو اوقیہ چاندی' ایک ہزار اونٹ' ستر ہزار درہم' ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار پیش کئے۔ اس موقع پر دیگر سامان کے علاوہ عثمان غنیؓ نے نقد رقم کی جو تھیلی پیش کی' آپ ﷺ اس تھیلی کو فرط مسرت سے اپنے دست مبارک میں لے کر اچھالتے اور فرماتے: آج کے بعد عثمانؓ پر کوئی اور عمل لازم نہیں ہوگا (ترمذی' باب مناقب عثمان)۔

ایک صحابیؓ کا کھجوروں کا باغ خوب پک رہا تھا، یہ اس میں نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز میں باغ کا خیال آ گیا، اس کا رنج اور صدمہ اس قدر ہوا کہ نماز کے بعد فوراً باغ کو امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ انہوں نے پچاس ہزار میں اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت دینی کاموں میں لگا دی۔

حضرت عائشہؓ کی خدمت میں دو بوریاں درہم کی نذرانہ میں آئیں جن میں ایک لاکھ سے زیادہ درہم تھے۔ طباق منگوا کر اور بھر بھر کے سب تقسیم کر دیں۔ اپنا روزہ تھا، یہ بھی خیال نہ آیا کہ اپنے افطار کے لیے کچھ رکھ لیں یا کوئی چیز منگوا لیں۔ افطار کے وقت

جب باندی نے افسوس کیا کہ اگر ایک درہم کا گوشت منگوا لیتیں تو آج ہم بھی گوشت سے کھانا کھا لیتے تو فرمایا: اب افسوس سے کیا ہوتا ہے؟ جب یاد دلا دیتی تو میں منگوا دیتی۔

جبکہ ہمارا حال اس کے برعکس ہے کہ ''حب مال'' ہماری سب سے بڑی بیماری ہے جس کے حصول کے لیے ہم کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں، حصول مال میں مشغول ہو کر بعض اوقات نماز، روزے سے بھی غافل ہو جاتے ہیں جبکہ بعض لوگوں کا دل تو نماز کے دوران بھی اپنے کاروبار میں ہی لگا رہتا ہے جیسا کہ ایک مرتبہ ایک صاحب اپنے امام صاحب سے کہنے لگے کہ آپ نے آج چار کی جگہ تین رکعتیں پڑھائی ہیں۔ امام صاحب نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ تو صاحب بولے: دراصل میری چار دکانیں ہیں اور میں ہر رکعت میں اپنی ایک دکان کا حساب کرتا ہوں لیکن آج میں تین ہی دکانوں کا حساب کر پایا تھا کہ آپ نے نماز مکمل کر لی۔

اب ایسی عبادت اور ایسا مال باعث وبال نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا؟

جو شخص صدقہ اچھی طرح کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس کے ترکہ میں اچھی طرح نیابت کرتا ہے (احیاء)۔

یعنی اس کے مرنے کے بعد بھی اس کا مال وارث برباد نہیں کرتے جیسا کہ اکثر دولت مندوں کے بچے اپنے باپ کی موت کے بعد اس کے مال کو اس بے دردی سے لغویات میں خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کی پناہ! جبکہ اس کے برعکس حلال طریقے سے مال کمانے والے اور فی سبیل اللہ خرچ کرنے والے کے ورثا بھی اس کے مال کو اپنے والدین کے ایصال ثواب اور دینی کاموں میں خرچ کرتے ہیں جس کی وجہ سے مرنے کے بعد بھی میت کو اس کا ثواب ملتا رہتا ہے اور اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان اس دنیا سے رخصت ہو جائے، ایک چھوٹی سی نیکی پر بھی قادر نہ ہو، ایک ایک نیکی کی قدر سے بھی مکمل طور پر آگاہ ہو چکا ہو، نیکیوں کا محتاج بھی ہو اور ایسی حالت میں اس کے ورثا یہاں سے نیکیوں کے ڈھیر کے ڈھیر اسے ارسال کرتے رہیں۔

وہی مال اپنا ہے جو آگے بھیج دیا

ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ کو کون سا صدقہ ثواب کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تو صدقہ ایسی حالت میں کرے کہ تندرست ہو، مال کی حرص دل میں ہو، اپنے فقیر ہو جانے کا ڈر ہو، اپنے مالدار ہونے کی تمنا ہو اور صدقہ کرنے کو اس وقت تک مؤخر نہ کر کہ روح حلق تک پہنچ جائے یعنی مرنے کا وقت آ جائے تو تو یوں کہے کہ اتنا مال فلاں کا اور اتنا مال فلاں کا حالانکہ اب تو مال فلاں (وارث) کا ہو گیا (متفق علیہ، مشکوٰۃ)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

آدمی کہتا ہے: میرا مال، میرا مال! حالانکہ اس کا مال صرف تین چیزیں ہیں: جو کھا لیا یا پہن لیا یا اللہ کے خزانے میں صدقہ کر کے جمع کر دیا، اس کے علاوہ جو رہ گیا وہ جانے والا ہے یعنی یہ شخص اس کو لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے (مشکوٰۃ شریف)۔

نیز یہ بھی فرمایا:

جو شخص مرتے وقت صدقہ کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص جب خوب پیٹ بھر لے تو بچے ہوئے کھانے کا ہدیہ کسی کے پاس لے کر جائے (مشکوٰۃ شریف)۔

ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ آدمی جب تندرست ہو اور مال کی محبت بھی دل میں ہو، اپنی ضروریات کا خیال بھی ہو، تب صدقہ کرے تو یہ بہترین صدقہ ہے جس کا اجر بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ و بے حساب ہے لہٰذا شیطان کے اس بہکاوے میں نہ آنا چاہئے کہ ابھی تو زندگی پڑی ہے، بڑھاپے میں خوب نیک کام کروں گا، موت سے پہلے خوب صدقہ، خیرات کروں گا وغیرہ وغیرہ کیونکہ اول تو عموماً بڑھاپا انسان کی جوانی کا عکس ہوتا ہے لہٰذا جو شخص جوانی میں مال و دولت سے حد سے زیادہ محبت رکھتا ہے تو بڑھاپے

میں یہ محبت مزید بڑھ جاتی ہے، اگر وہ جوانی میں ایک آدھ روپیہ صدقہ کر بھی دیا کرتا تھا تو بڑھاپے میں سو طرح کے وسوسے اسے اس برائے نام صدقہ سے بھی روک دیتے ہیں مثلاً کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اپنا مال صدقہ کر دوں اور پھر میری اولاد مجھے پوچھے بھی نہیں، کہیں بڑھاپے میں در بدر کی ٹھوکریں نہ کھانی پڑیں، اگر مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا تو میرے بیوی، بچوں کا کیا ہوگا؟ اس قسم کی باتیں سوچ کر وہ مال کو اور بھی سینے سے لگا کے رکھتا ہے اور اسی بخل کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے، دوسری بات یہ کہ بڑھاپا کس نے دیکھا ہے؟ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ہر شخص بڑھاپے کو ضرور پہنچے گا؟ کیا ہم روز اپنے ہاتھوں سے بچوں اور جوانوں کی میتیں نہیں دفناتے؟ کیا ہم آئے دن اخبارات میں اس قسم کی خبریں نہیں پڑھتے کہ فلاں شخص کے بنگلے میں گھس کر ڈاکوؤں نے مال لوٹنے کے ساتھ ساتھ مالک کو بھی جان سے مار دیا، گاڑی چھیننے کی واردات کے دوران گاڑی کا مالک بھی ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارا گیا، فلاں شخص جوانی میں ہی ہارٹ اٹیک سے مر گیا وغیرہ وغیرہ۔ پھر یہ بات کس طرح یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ مجھ پر بڑھاپا بھی آئے گا اور اتنی مہلت و توفیق بھی ملے گی کہ میں دل کھول کر اللہ کی راہ میں خرچ کر سکوں اور سب سے بڑی بات یہ کہ اگر کسی خوش نصیب کو ہر طرح کی مہلت بھی مل جائے اور موت کے وقت توفیق بھی مل جائے تب بھی اس حدیث پر غور کرنا چاہئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

آدمی اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کر دے وہ اس سے بہتر ہے کہ مرتے وقت سو درہم صدقہ کرے (مشکوٰۃ شریف)۔

کسی مسلمان کی حاجت پوری کرنے کی فضیلت

محسن انسانیت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک اعلان ہوگا کہ امتِ محمدیہ کے فقراء کہاں ہیں؟ اٹھو اور لوگوں کو میدان قیامت میں سے تلاش کرلو، جس شخص نے تم میں سے کسی کو میرے لیے ایک لقمہ دیا ہو یا میرے لیے کوئی گھونٹ پانی کا دیا ہو یا میرے لیے کوئی نیا یا پرانا کپڑا دیا ہو، ان کے ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کردو۔ اس پر فقراءِ امت اٹھیں گے اور کسی کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے کہ یا اللہ! اس نے مجھے کھانا کھلایا تھا، اس نے مجھے پانی پلایا تھا، کوئی بھی فقراءِ امت میں سے چھوٹا یا بڑا شخص ایسا نہ ہوگا جو ان کو جنت میں داخل نہ کرائے (کنز)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس گھر سے لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہو، خیر اس گھر کی طرف اس قدر تیزی سے بڑھتی ہے جس قدر تیزی سے چھری اونٹ کے کوہان میں چلتی ہے (کنز)۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ عمدہ کھجوریں دوسروں کو کھلاتے اور کہتے کہ جو شخص زیادہ کھائے گا اس کو فی کھجور ایک درہم دیا جائے گا (احیاء)۔

خاتم الانبیا ﷺ نے فرمایا کہ فقراء کی پہچان کثرت سے رکھا کرو اور ان کے اوپر احسانات کیا کرو، ان کے پاس بڑی دولت ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! وہ دولت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ جس نے تمہیں کوئی ٹکڑا کھلایا ہو یا پانی پلایا ہو یا کپڑا دیا ہو، اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں پہنچادو۔

اسلامی معاشرے میں ہر مسلمان انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے ایک طرف تو دوسرے مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کو حرام قرار دیا ہے جبکہ دوسری جانب اسے راحت وخوشی پہنچانے کو انتہائی محبوب عمل اور بہت بڑے اجر کا باعث

بتایا ہے کیونکہ اس طرح نہ صرف یہ کہ مسلمانوں میں باہمی محبت بڑھتی ہے بلکہ باہمی خیر خواہی و ہمدردی پر مشتمل ایک فلاحی معاشرے کی تشکیل میں مدد بھی ملتی ہے۔ جیسا کہ رحمت اللعالمین ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب اعمال سے زیادہ محبوب کسی مسلمان کو خوش کرنا ہے یا اس پر سے غم کا ہٹانا ہے یا اس کا قرض ادا کردینا ہے یا بھوک کی حالت میں اس کو کھانا کھلانا ہے۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا: مغفرت کے واجب کرنے والی چیزوں میں کسی مسلمان کو خوشی پہنچانا ہے، اس کی بھوک کو زائل کرنا ہے، اس کی مصیبت کو ہٹانا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی دنیاوی حاجت پوری کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہ اس کی بہتر (72) حاجتیں پوری کرتا ہے جن میں سے سب سے ہلکی چیز اس کے گناہوں کی مغفرت ہے (کنز)۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ننگے پن کی حالت میں کپڑا پہنائے گا، حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت کے سبز لباس پہنائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کچھ کھلائے گا، حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پانی پلائے گا، حق تعالیٰ شانہ اس کو ایسی شرابِ جنت پلائے گا جس پر مہر لگی ہوئی ہوگی (ابوداؤد، ترمذی)۔

ایصال ثواب، والدین کا حق

اولاد پر والدین کے احسانات اس قدر ہیں کہ اگر کوئی شخص چاہے تب بھی ان کے احسانات کا بدلہ چکانا ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے حقوق کے بعد والدین کے حقوق کی تاکید فرمائی ہے لہٰذا ہر شخص کو اپنے والدین کی زندگی میں ہی ان کی قدر کر کے خوب خدمت کرنا چاہئے کہ یہ دنیا میں عزت و کامیابی اور آخرت میں حصول جنت کا باعث ہے لیکن والدین کے انتقال کے بعد بھی ان کا حق ختم نہیں ہوتا لہٰذا ہمیشہ ان کے لیے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام کرتے رہنا چاہئے تاکہ اپنے لیے بھی اور والدین کے لیے بھی اخروی نجات کا باعث بن سکے۔

حضرت سعدؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری والدہ کا انتقال ہوگیا (ان کے ایصال ثواب کے لیے) کون سا صدقہ زیادہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانی سب سے افضل ہے۔ اس پر حضرت سعدؓ نے اپنی والدہ کے ثواب کے لیے ایک کنواں کھدوادیا (ابوداؤد، نسائی، مشکوٰۃ)۔

حضرت سعدؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری والدہ اپنی زندگی میں میرے مال سے حج کرتی تھیں، میرے ہی مال سے صدقہ دیتی تھیں، صلہ رحمی کرتی تھیں، لوگوں کی امداد کرتی تھیں، اب ان کا انتقال ہوگیا، اگر یہ سب کام ہم ان کی طرف سے کریں تو ان کو ان کا ثواب پہنچے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: پہنچے گا (کنز)۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے گھٹنے میں ایک زخم ہے، سات برس ہوگئے ہر قسم کی دوا اور علاج کر چکا ہوں، کسی سے بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے طبیبوں سے بھی رجوع کر چکا ہوں۔ آپؒ نے فرمایا کہ جس جگہ پانی کی قلت ہو وہاں ایک کنواں بنوادو، مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ جب اس میں پانی نکل آئے گا تو تمہارے گھٹنے کا خون بند ہوجائے گا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور گھٹنے کا زخم اچھا ہوگیا۔

صدقۂ جاریہ کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا ثواب ختم ہوجاتا ہے مگر تین چیزیں ایسی ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے، ایک صدقہ جاریہ، دوسرے وہ علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا رہے، تیسرے صالح اولاد جو اس کے لیے مرنے کے بعد دعا کرتی رہے (صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف، ابوداؤد، نسائی)۔

مساجد و مدارس میں مالی معاونت کی اہمیت

اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کا نامہ اعمال بند ہونے کے بجائے کھلا رہے اور اس کی نیکیاں تا قیامت روز بروز بڑھتی رہیں حتیٰ کہ نیکیوں کا پہاڑ بن جائے تو اسے چاہئے کہ اپنی زندگی ہی میں صدقہ جاریہ کا اہتمام کرے مثلاً کوئی مسجد بنوادے، کوئی مدرسہ تعمیر کروادے یا ان کی تعمیر میں حسب استطاعت معاونت فرمائے تو جب تک اس میں نماز اور درس و تدریس کا اہتمام ہوتا رہے گا، اس شخص کے کھاتے میں نیکیاں جمع ہوتی رہیں گی۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

آدمی کے مرنے کے بعد جن چیزوں کا ثواب اس کو ملتا ہے، ایک تو وہ علم ہے جو کسی کو سکھایا ہو اور اشاعت کی ہو اور صالح اولاد ہے جس کو چھوڑ کر گیا ہو اور وہ قرآن شریف جو میراث میں چھوڑ گیا ہو اور وہ مسجد اور مسافر خانہ ہے جن کو بنایا ہو اور نہر جو جاری کر گیا ہو اور وہ صدقہ ہے جس کو اپنی زندگی اور صحت میں اس طرح دے گیا ہو کہ مرنے کے بعد اس کا ثواب ملتا رہے (مشکوٰۃ)۔

علم کی اشاعت کا مطلب یہ ہے کہ کسی مدرسہ میں چندہ دیا ہو تا کہ نادار و مستحق طلبہ کو حصول علم میں آسانی ہو یا کوئی دینی کتاب لکھی ہو یا خرید کر تقسیم کروائی ہو تا کہ اسے پڑھ کر لوگوں کی اصلاح ہو سکے یا مساجد و مدارس کے لیے قرآن پاک اور دیگر دینی کتابوں کا عطیہ دیا ہو یا کسی طالب علم کو اپنے خرچ سے حافظ قرآن یا عالم بنا گیا تو ان تمام چیزوں کا ثواب اسے قیامت تک ملتا رہے گا، ان شاء اللہ، مثلاً کسی شخص کو حافظ بنا دیا اور اس نے مزید سو، پچاس لڑکوں کو قرآن پاک پڑھا دیا یا کسی کو عالم بنا دیا اور اس نے درس و تدریس کا شغل اختیار کر کے مزید سینکڑوں لوگوں کو عالم بنا دیا تو ان سب کا ثواب اس شخص کو ملتا رہے گا جبکہ ان حفاظ اور علماء کرام کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی اور اس میں یہ بھی

ضروری نہیں کہ کسی مدرسہ یا طالب علم کے تمام اخراجات پورے کرے بلکہ اگر اخلاص کے ساتھ میں اس میں تھوڑی سی بھی مدد ہوگئی تو یہ بھی رائیگاں نہیں جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ مقدار کو نہیں اخلاص کو دیکھتا ہے اور اگر کوئی عمل پورے اخلاص کے ساتھ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ بعض اوقات ایک ذرے کو پہاڑ میں تبدیل کر کے اسے پہاڑ کے برابر صدقہ کرنے کا ثواب مرحمت فرماتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جو شخص ایک کھجور کے بقدر صدقہ کرے بشرطیکہ طیب مال سے ہو، خبیث مال نہ ہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ طیب مال ہی قبول کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس صدقہ کی پرورش کرتا ہے جیسا کہ تم لوگ اپنے بچھیڑے کی پرورش کرتے ہو حتیٰ کہ وہ صدقہ بڑھتے بڑھتے پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے (مشکوۃ شریف)۔

کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس پرفتن دور میں بھی دین کی حفاظت کی خاطر دینی مدارس اور مساجد کی ہر ممکن طریقے سے معاونت کرتے رہتے ہیں اور اپنے لیے دہرے اجر اور صدقہ جاریہ کا اہتمام کرتے رہتے ہیں جس کی اصل قدر تو مرنے کے بعد معلوم ہوگی لیکن دنیا میں بھی اس کا صلہ ضرور ملتا ہے اور عموماً دیکھا یہ گیا ہے کہ جو لوگ احیائے دین کی غرض سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ ان کے مالوں میں برکت عطا فرماتا ہے اور انہیں بہت سی پریشانیوں و آزمائشوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اس قدر صدقہ، خیرات کے باوجود ان کا مال کم ہونے کے بجائے بڑھتا ہی رہتا ہے جبکہ یہ تو انتہائی معمولی بدلہ ہے، اصل بدلہ تو رب کائنات کی جانب سے قیامت کے روز ملے گا کہ جس روز کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہوگا اور انسان سب سے زیادہ نیکی کا محتاج ہوگا۔

جو صدقہ کر دیا وہ محفوظ ہو گیا

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ گھر کے آدمیوں نے یا صحابہ کرامؓ نے ایک بکری ذبح کی (اور اس میں سے تقسیم کر دیا) حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کتنا باقی رہا؟ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ صرف ایک شانہ باقی رہ گیا (باقی سب تقسیم ہو گیا) آپ ﷺ نے فرمایا: وہ سب باقی ہے، اس شانہ کے سوا (ترمذی، مشکوٰۃ)۔

مطلب یہ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا گیا وہ درحقیقت جمع ہو گیا اور اس کا ثواب ہمیشہ باقی رہے گا جبکہ جو کچھ رہ گیا وہ باقی نہیں ہے بلکہ وہ فنا ہونے والا ہے کیونکہ نہیں معلوم کہ وہ صحیح جگہ پر صرف ہوگا بھی یا نہیں جیسا کہ خالق کائنات نے فرمایا:

جو کچھ تمہارے پاس دنیا میں ہے وہ ایک دن ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے (سورۃ النحل: ع ۱۳)۔

حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے کہ بندہ کہتا ہے: میرا مال، میرا مال، اس کے سوا دوسری بات نہیں ہے کہ اس کا مال وہ ہے جو کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر پرانا کر دیا یا اللہ کے راستے میں خرچ کر کے اپنے لیے ذخیرہ بنا لیا اور اس کے علاوہ جو رہ گیا وہ جانے والی چیز ہے جسے وہ لوگوں کے لیے چھوڑ کر چلا جائے گا (صحیح مسلم)۔

اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کون شخص ایسا ہے جس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسا تو کوئی بھی نہیں ہے، ہر شخص کو اپنا مال زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کا اپنا مال وہ ہے جس کو (ذخیرہ بنا کر) آگے بھیج دیا اور جو مال چھوڑ گیا، وہ وارث کا مال ہے (صحیح بخاری، مشکوٰۃ)۔

مال ایسی چیز ہے جس کی ہوس کبھی ختم نہیں ہوتی بلکہ عموماً دیکھا یہ گیا ہے کہ جیسے جیسے

دولت بڑھتی ہے ویسے ویسے مال کی محبت بھی بڑھتی چلی جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں بھی ہے کہ:

اگر آدمی کو ایک وادی سونے کی دے دی جائے تو وہ دوسری کو تلاش کرتا ہے اور دو ہوں تو تیسری کو تلاش کرتا ہے، آدمی کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی (صحیح بخاری)۔

ایک اور جگہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے لیے ایک جنگل کھجوروں کا ہو تو دوسرے کی تمنا کرتا ہے اور دو ہوں تو تیسرے کی اور اسی طرح تمنائیں کرتا رہتا ہے۔ اس کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھرتی (کنز العمال)۔

لیکن اگر اس ہوس کا رخ تھوڑا سا موڑ کر آخرت کی جانب کر دیا جائے تو یہ ہوس سب سے زیادہ اچھی اور اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ بن جائے گی یعنی جس طرح آدمی چاہتا ہے کہ اس دنیا میں میرے پاس دولت کے انبار لگے ہوئے ہوں، میرا مال بڑھتا ہی چلا جائے حتیٰ کہ میں دنیا کا امیر ترین شخص بن جاؤں، اسی طرح اگر وہ یہ سوچے کہ میں زیادہ سے زیادہ اپنا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر کے اپنی آخرت کے لیے ذخیرہ کر لوں تاکہ بروز قیامت میرے کام آئے اور میں وہاں کے امیر ترین لوگوں میں شامل ہو جاؤں تو ایسا شخص دنیا میں دولت مند ہونے کے باوجود آخرت میں بھی کامیاب قرار پائے گا اور جو شخص اس کے برعکس مال جمع کرتا رہتا ہے اور اس میں سے فی سبیل اللہ خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتا ہے تو وہ دنیا کا سب سے بڑا بے وقوف ہے کیونکہ وہ اپنی دائمی زندگی کو اپنے وارثوں کی فانی زندگی پر قربان کر رہا ہے، اگر اس کا مال اس کے بخل کے باوجود اللہ کی کسی مصلحت کے تحت تباہ نہ ہوا تب بھی وہ خود تو بہت جلد اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا اور اسے مالک یوم الدین کے سامنے پورا پورا حساب بھی دینا پڑے گا جبکہ اس کے ورثا اس مال پر عیش کریں گے اور جب خود اس نے اپنا مال آخرت کے لیے ذخیرہ نہیں کیا تو اس کے ورثا سے ایصال ثواب کی امید رکھنا ہی عبث ہے۔

صدقہ کرنے کے لیے امیر ہونا ضروری نہیں

حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور اقدس ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے افضل صدقہ کیا ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: نادار کی انتہائی کوشش اور ابتداء اس سے کرو جس کی پرورش تمہارے ذمہ ہے (ابوداؤد، مشکوۃ)۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ تین آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے پاس سو دینار تھے، میں نے ان میں سے دس دینار اللہ کے واسطے صدقہ کر دیے۔ دوسرے صاحب نے عرض کیا کہ میرے پاس دس دینار تھے، میں نے ایک دینار صدقہ کر دیا۔ تیسرے صاحب نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک ہی دینار تھا، میں نے اس کا دسواں حصہ صدقہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم تینوں کا ثواب برابر ہے اس لیے کہ ہر شخص نے اپنے مال کا دسواں حصہ صدقہ کیا ہے۔ ایک اور حدیث میں بھی اسی قسم کا قصہ وارد ہوا ہے جس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی کہ:

وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق خرچ کرنا چاہیے، جس کی آمدنی کم ہو اس کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا ہے (اور غریب آدمی خرچ کرتے ہوئے اس سے نہ ڈرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر بالکل ہی کنگال ہو جاؤں کیونکہ) اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد جلد ہی فراغت بھی دے دے گا (سورہ طلاق: رکوع ۱)۔ (کنز العمال)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک درہم ایک لاکھ درہم سے بھی ثواب میں بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح ایک آدمی کے پاس فقط دو ہی درہم ہیں، اس نے ان میں سے ایک صدقہ کر دیا، دوسرا شخص ایسا ہے کہ اس کے پاس بہت بڑی مقدار میں مال ہے، اس نے اپنے کثیر مال میں سے ایک لاکھ درہم صدقہ کیے تو ایک درہم ثواب میں بڑھ جاتا ہے (جامع الصغیر)۔

حضرت امام بخاریؒ نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد

فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب ہم لوگوں کو صدقہ کا حکم فرمایا کرتے تھے تو ہم میں سے بعض آدمی بازار جاتے اور اپنے اوپر بوجھ لاد کر مزدوری میں ایک مُد (تقریباً ایک سیر وزن) کماتے اور اس کو صدقہ کر دیتے (فتح)۔

بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ تو کسی کے ایک روپیہ صدقہ کرنے سے کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ ہی ایک کھرب روپے، وہ تو نفع ونقصان سے بے نیاز ہے بلکہ اس کائنات کے تمام خزانوں کا مالک حقیقی وہی ہے لہٰذا نہ تو زیادہ دینے والا یہ سوچے کہ میں نے نعوذ باللہ اپنے رب پر کوئی احسان کیا اور نہ ہی ایک روپیہ خیرات کرنے والا یہ سوچے کہ بھلا ایک روپے سے کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ مال کی مقدار کو نہیں دیکھتا بلکہ دل کے اخلاص کو دیکھتا ہے، اگر اخلاص ہے تو ایک روپے کا ثواب بھی ایک بڑا خزانہ صدقہ کرنے سے بڑھ سکتا ہے اور اگر اخلاص نہیں تو بڑے سے بڑا خزانہ صدقہ کرنا بھی بے کار ہے، دوسری بات یہ کہ عموماً معمولی سی رقم صدقہ کرنے والا غریب شخص اپنے صدقہ کو بہت ہی حقیر تصور کرتا ہے اور اس بات پر اپنے رب کے سامنے شرمندگی بھی محسوس کرتا ہے کہ میں کوئی قابل ذکر رقم خیرات نہیں کر سکا بلکہ اس کے دل میں شدید خواہش ہوتی ہے کہ کاش میرے پاس بھی مال و دولت ہوتی تو میں اللہ کی راہ میں خوب مال خرچ کرتا اور اپنی نیکی کو حقیر سمجھنا اور بڑی نیکی کے حصول کی تمنا رکھنا خود اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی اجر وثواب کا باعث ہے لہٰذا فی سبیل اللہ لاکھوں، کروڑوں روپے خرچ کرنے کا انتظار کرنے کے بجائے ہر شخص حسب استطاعت خرچ کرے، اللہ تعالیٰ اس کی نیت کے مطابق ثواب عطا فرمائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس تھوڑے تھوڑے صدقہ کی برکت سے خالق کائنات اس کے مال میں اتنی برکت عطا فرما دے کہ وہ حقیقتاً لاکھوں، کروڑوں روپے خیرات کرنے کے قابل ہو جائے۔ اس قسم کے واقعات سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے۔

بخل کی مذمت

سخاوت جس قدر اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اسی قدر بخل و کنجوسی ناپسند ہے اور اللہ تعالیٰ نے بخل کو شیطان کی پیروی قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے اور تم کو بری بات (یعنی بخل) کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے (خرچ کرنے پر اپنی طرف سے) گناہ معاف کر دینے کا اور زیادہ دینے کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے خوب جاننے والا ہے (سورۃ البقرہ: ع ۳۷)۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت شریفہ میں دو چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور دو چیزیں شیطان کی طرف سے ہیں۔ شیطان فقر کا وعدہ کرتا ہے اور بری بات کا حکم کرتا ہے، یہ کہتا ہے کہ مال خرچ نہ کر، احتیاط سے رکھ تجھے اس کی ضرورت پڑے گی اور اللہ تعالیٰ ان گناہوں پر مغفرت کا وعدہ فرماتا ہے اور رزق میں زیادتی کا وعدہ فرماتا ہے (درمنثور)۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز کے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے عطا کی ہے کہ یہ بات ان کے لیے اچھی ہوگی بلکہ یہ بات ان کے لیے بہت بری ہوگی اس لیے کہ وہ لوگ قیامت کے دن طوق پہنائے جائیں گے اس مال کا جس کے ساتھ بخل کیا تھا اور اخیر میں آسمان و زمین اللہ ہی کا رہ جائے گا (تم اپنے ارادہ سے اسے دے دو تو ثواب بھی ہو ورنہ ہے تو اسی کا) اور اللہ تعالیٰ تمہارے سارے اعمال سے خبردار ہے (آل عمران: ع ۱۸)۔

ایک اور جگہ فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ ایسے آدمیوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوں، جو خود بھی بخل کرتے ہوں اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہوں اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے اسے چھپاتے ہوں اور ہم نے ایسے ناشکروں کے لیے اہانت والا عذاب تیار کر رکھا ہے (نساء: ع ۴)۔

صدقہ کرنے کیلئے حلال مال ضروری ہے

سعودی عرب کے فرمانروا شاہ عبدالعزیزؒ نے اقتدار سنبھالنے کے بعد تمام چوروں کا خاتمہ کر دیا۔ وہ جب مکہ آتے تو بیت اللہ کی دیوار کے ساتھ یوں ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے کہ ان کے ہاتھ میں تلوار ہوتی اور روتے جاتے، روتے جاتے۔ سلطان عبدالعزیزؒ کے استاد نے پوچھا کہ کیوں اتنا روتے ہو؟ کہنے لگے کہ میں نے سب کو چوری سے روک دیا، اب انہیں روزی کہاں سے کھلاؤں؟ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے رو رہا ہوں کہ یا اللہ! تیرا حکم تو میں نے زندہ کر دیا اب تو ہی ان کی روزی کے اسباب پیدا فرما دے..... پھر رب کائنات نے روزی کے اسباب پیدا فرما دیئے۔ سات سمندر پار سے لوگ آئے اور ان کی سرزمین سے تیل کے چشمے ابل پڑے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں وہ برکت عطا فرمائی کہ دیگر ممالک سے بھی لوگ وہاں روزی کمانے جاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خود پاک ہے اور پاک مال ہی قبول فرماتا ہے۔ مسلمانوں کو اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے جس کا اپنے رسولوں کو حکم دیا چنانچہ کلام پاک میں ارشاد ہے: ''اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، میں تمہارے اعمال سے باخبر ہوں''۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ''اے ایمان والو! ہمارے دیئے ہوئے پاک رزق میں سے کھاؤ''۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ لمبے لمبے سفر کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی بکھرے ہوئے بالوں والا، غبار آلود کپڑوں والا (یعنی پریشان حال مسافر) دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے: اے اللہ، اے اللہ، اے اللہ! لیکن کھانا بھی اس کا حرام، پینا بھی حرام، لباس بھی حرام، ہمیشہ حرام ہی کھایا تو اس کی دعا کہاں قبول ہو سکتی ہے؟ (جمع الفوائد)۔

اسلام نے کسب حلال پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور حلال کھانے کی صرف ترغیب

ہی نہیں دی بلکہ حکم دیا ہے اور تمام عبادات کی قبولیت کو اس کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک چیزوں کو ہی پسند فرماتا ہے۔ حرام کھانے کمانے والا شخص جس قدر صدقہ وخیرات کرے، دن بھر روزے رکھے، شب بھر سجدہ میں پڑا رہے، اللہ تعالیٰ کے مقدس دربار میں اس کی کوئی نیکی قبول نہیں۔ قیامت کے روز ہر انسان سے جو پانچ بنیادی سوالات کئے جائیں گے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور ان سوالوں کا جواب دیئے بغیر کوئی شخص اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا۔ آج جو لوگ دھڑلے سے حرام کھائے چلے جا رہے ہیں وہ روز قیامت کیا جواب دیں گے؟

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک غلام تھا جو اپنی آمدنی میں سے آپؓ کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ کچھ کھانا لایا، حضرتؓ نے اس میں سے ایک لقمہ نوش فرما لیا۔ غلام نے عرض کیا کہ آپ روزانہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کس ذریعے سے کمایا، آج دریافت نہیں فرمایا۔ آپؓ نے فرمایا کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے دریافت کرنے کی نوبت نہیں آئی، اب بتاؤ؟ عرض کیا: میں زمانۂ جاہلیت میں ایک قوم پر گزرا اور ان پر منتر پڑھا۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کر رکھا تھا۔ آج میرا گزر ادھر کو ہوا تو ان کے یہاں شادی ہو رہی تھی، انہوں نے مجھے یہ دیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تو مجھے ہلاک ہی کر دیتا۔ اس کے بعد حلق میں ہاتھ ڈال کر قے کرنے کی کوشش کی مگر ایک لقمہ وہ بھی بھوک کی شدت کی حالت میں کھایا گیا، نہ نکلا۔ کسی نے عرض کیا کہ پانی سے قے ہو سکتی ہے۔ ایک بہت بڑا پیالہ منگوایا گیا اور پانی پی پی کر قے فرماتے رہے، یہاں تک کہ وہ لقمہ نکال دیا۔ کسی نے عرض کیا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائے، یہ ساری مشقت اس ایک لقمہ کی وجہ سے برداشت فرمائی۔ آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری جان کے ساتھ بھی یہ لقمہ نکلتا تو میں اس کو نکالتا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جو بدن مالِ حرام سے

پرورش پائے، آگ اس کے لئے بہتر ہے۔ مجھے یہ ڈر ہوا کہ میرے بدن کا کوئی حصہ اس لقمہ سے پرورش نہ پائے۔

صحابہ کرامؓ رزق حلال کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے اور حرام مال کی نحوست اور شر سے بھی آگاہ تھے یہی وجہ ہے کہ وہ حرام مال سے تو دور بھاگتے ہی تھے، مشتبہ مال کے بھی قریب نہ جاتے تھے جبکہ اس کے برعکس ہمارا یہ حال ہے کہ حرام سے بچنا تو درکنار اسے حلال ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ حرام کمانے کا وہ کونسا ذریعہ ہے جو ہم نے اپنا نہ رکھا ہو بلکہ نئے نئے طریقے ایجاد کئے جا رہے ہیں اور مزے کی بات یہ کہ حرام خور بھی ہیں اور ساتھ میں نمازی بھی ہیں، حاجی بھی ہیں۔ سود، رشوت، ملاوٹ، بے ایمانی اور فریب کے ذریعے دولت کماتے ہیں پھر اس میں سے ایک حصہ اللہ کے نام پر صدقہ کر دیتے ہیں گویا کہ ہم نے احکم الحاکمین کو بھی پاکستانی حکمرانوں جیسا تصور کر لیا ہے کہ اربوں روپے لوٹو اور پھر اس میں سے کچھ رقم سرکاری خزانے میں جمع کروا کے ''پلی بارگیننگ'' کرو اور باعزت طور پر بری ہو جاؤ (نعوذ باللہ)۔

ہماری بے حسی کی انتہا ہے کہ ہم حرام مال سے گاڑی خریدتے ہیں اور پھر اس پر اسٹیکر لگا دیتے ہیں کہ ''اللہ محبت سے دیکھ رہا ہے'' ناجائز مال سے قربانی کرتے ہیں اور بے شرمی کے ساتھ کہتے ہیں کہ ''یہ تیرے ہی لئے ہے اور تیری ہی طرف سے ہے، اسے قبول فرما'' حرام رزق کھاتے ہیں اور ڈھٹائی کے ساتھ یہ دعا پڑھتے ہیں۔ ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا'' پیٹ میں ناپاک رزق بھرتے ہیں اور پھر نماز کے دوران سجدے میں جا کر کہتے ہیں کہ ''پاکی ہے اس رب کے لئے جو بلند و برتر ہے'' لوگوں کا حق مار کر مال بٹورتے ہیں اور پھر روزہ کھولتے وقت پڑھتے ہیں ''اے اللہ میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی دیئے ہوئے رزق پر افطار کرتا ہوں'' اور اپنے رب کی نافرمانیوں اور اپنے مسلمان بھائیوں کی حق تلفیوں

کے ذریعے جمع کی جانے والی دولت سے بلند و بالا عمارتیں تعمیر کرتے ہیں اور پھر اس کی پیشانی پر جلی حروف میں لکھواتے ہیں ''ہذا من فضل ربی''۔ ''شرم تم کو مگر نہیں آتی''۔

علامہ قرطبیؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دکاندار صبح صبح آیا، اپنی دکان کا ترازو توڑ دیا، پڑوسی دکاندار نے پوچھا۔ کیوں توڑا؟ کہنے لگا۔ آج ہمارا پڑوسی مر رہا تھا، ہم نے کہا: لا الا الا اللہ..... یعنی کلمہ پڑھ لے۔ وہ کہنے لگا: مجھ سے نہیں پڑھا جاتا۔ ہم نے کہا: کیوں نہیں پڑھا جاتا۔ کہنے لگا: میری دکان کا ترازو میری حلق میں چبھ رہا ہے..... مجھ سے کلمہ نہیں پڑھا جا رہا۔

یہ حرام کھانے کا سب سے بڑا نقصان ہے جبکہ دیگر نقصانات اس کے علاوہ ہیں۔ چاروں طرف بے سکونی، بدامنی اور پریشانیوں کا بنیادی سبب یہی ہے کہ ہم حرام رزق پر پل رہے ہیں لہٰذا ہماری حرکتیں بھی ویسی ہی ہیں۔ ہر آدمی اپنے مفاد کے لئے دوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہے۔ دولت کی ہوس نے ہمیں اندھا کر دیا ہے، جائز، ناجائز کا تو اب سوال ہی نہیں رہا۔ قتل و غارت، ڈاکہ زنی، ملاوٹ، بے ایمانی اور معاشرتی بدامنی کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہر شخص راتوں رات امیر بننا چاہتا ہے، یہ سوچے بغیر کہ ایسا شخص قیامت کے روز بالکل مفلس ہوگا جسے اٹھا کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

نیکیوں کو ضائع کرنے والا عمل، ریاکاری

قیامت کے روز سب سے پہلے جن لوگوں کا فیصلہ ہوگا ان میں ایک تو شہید ہوگا، اس کو بلایا جائے گا اور بلانے کے بعد دنیا میں جو اللہ جل شانہ کے انعامات اس پر ہوئے تھے وہ اس کو یاد دلائے جائیں گے۔ اس کے بعد اس سے مطالبہ ہوگا کہ اللہ جل شانہ کی ان نعمتوں میں رہ کر تو نے کیا نیک عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ میں نے تیری رضا جوئی میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہوگیا۔ ارشاد ہوگا کہ یہ جھوٹ ہے، تو نے جہاد اس لئے کیا تھا کہ لوگ تجھے بڑا بہادر کہیں، وہ تجھے کہا جا چکا۔ اس کے بعد اسے جہنم میں پھینک دینے کا حکم دیا جائے گا اور تعمیل حکم میں اس کو منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

دوسرا شخص ایک عالم ہوگا جس کو بلا کر اللہ جل شانہ کے انعامات اور احسانات جتا کر اس سے بھی دریافت کیا جائے گا کہ اللہ جل شانہ کی ان نعمتوں میں رہ کر تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے علم سیکھا اور لوگوں کو سکھایا، تیری رضا جوئی کے لئے قرآن پاک پڑھتا رہا۔ ارشاد ہوگا: یہ سب جھوٹ ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا تھا کہ لوگ کہیں گے کہ فلاں شخص بڑا عالم، بڑا قاری ہے سو لوگوں نے کہہ دیا۔ اس کے بعد اس کو بھی جہنم میں پھینکنے کا حکم دیا جائے گا اور تعمیل حکم میں منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

تیسرا شخص ایک سخی ہوگا جس پر اللہ جل شانہ نے دنیا میں بڑی وسعت فرما رکھی تھی، ہر قسم کے مال سے اس کو نوازا تھا۔ اس کو بلایا جائے گا اور جو انعامات اللہ جل شانہ نے اس پر دنیا میں فرمائے تھے وہ جتا کر سوال کیا جائے گا کہ ان انعامات میں تیری کیا کارگزاری ہے؟ وہ عرض کرے گا کہ میں نے خیر کا کوئی موقع جس میں خرچ کرنا آپ کو پسند ہو، ایسا نہیں چھوڑا جس میں آپ کی خوشنودی کے لئے خرچ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہوگا: یہ جھوٹ ہے، تو نے محض اس لئے خرچ کیا کہ لوگ کہیں گے بڑا سخی ہے سو کہا جا چکا۔ اس کے بعد اس کو بھی جہنم

میں پھینکنے کا حکم ہوگا اور تعمیل حکم میں منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مشکوۃ بروایت مسلم)۔

ایک حدیث قدسی میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ میں سب شریکوں میں سب سے زیادہ بے پروا ہوں۔ جو شخص کسی عبادت میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کر دیتا ہے، میں اس عبادت کرنے والے کو اس کے (بنائے ہوئے) شریک کے ساتھ چھوڑ دیتا ہوں (مشکوۃ) یعنی وہ اپنا بدلہ اور ثواب اسی شریک سے جا کر لے لے، مجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے ریا کی نیت سے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے ریا کے ارادہ سے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے ریا کی نیت سے صدقہ دیا، اس نے شرک کیا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم لوگ دجال کا تذکرہ کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جس کا میں تم پر دجال سے بھی زیادہ خوف کھاتا ہوں۔ ہم نے عرض کیا کہ ضرور بتائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شرک خفی ہے۔ مثلاً ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے (اخلاص سے شروع کی ہے لیکن کوئی شخص اس کی نماز کو دیکھنے لگے تو) وہ آدمی دیکھنے کی وجہ سے اپنی نماز لمبی کر دے۔

اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کا خالق و مالک ہے۔ اس نے ہم پر اس قدر احسانات فرمائے کہ جن کا شمار ناممکن ہے۔ اگر ہم تمام عمر سجدے میں پڑے رہیں تب بھی اس کے کسی ایک احسان کا حق بھی ادا نہیں کر سکتے۔ یہ ہماری کوتاہ بینی نہیں تو اور کیا ہے کہ ہمیں چھوٹی چھوٹی پریشانیاں و مصائب تو پہاڑ جیسے معلوم ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں معمولی نظر آتی ہیں مثلاً آنکھوں کی قدر نابینا ہی جانتا ہے، ہاتھ، پاؤں کی قدر کسی معذور سے پوچھیں، جسمانی

صحت وطاقت کی قدر کوئی فالج زدہ شخص ہی جان سکتا ہے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ایمان کی قدر تو مرنے کے بعد ہی معلوم ہوگی جب ساری زندگی عیش وعشرت میں گزارنے والے کافر یہ خواہش کریں گے کہ کاش! ہمیں ایک ذرے کے برابر ہی ایمان کی نعمت نصیب ہوگئی ہوتی!

رب کائنات نے اپنے بندوں پر تمام انعامات واحسانات کے بدلے فقط تھوڑی سی عبادت مقرر کی ہے مگر اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ عبادت شرک جلی وشرک خفی دونوں سے پاک ہو، صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لئے ہو جیسا کہ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ:

جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے (اور اس کا محبوب ومقرب بننا چاہے) تو نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے (سورہ کہف)۔

ریا کاری کرنے والا شخص شعوری یا لاشعوری طور پر اللہ کی عبادت میں مخلوق کو بھی شریک کر لیتا ہے جس سے اس کی عبادت رائیگاں چلی جاتی ہے اور سارے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا ہے۔ اسی طرح انسان چاہے سونے کے پہاڑ صدقہ کر دے لیکن یہ عمل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہو بلکہ اس میں تھوڑی سی بھی ریا کاری، نام ونمود اور دکھلاوا شامل ہو تو وہ تمام کا تمام عمل نہ صرف ضائع ہو جاتا ہے بلکہ شرک خفی کی وجہ سے الٹا باعث وبال ہوگا۔

شیطان اول تو اللہ کے بندوں کو مختلف حیلے بہانوں کے ذریعے صدقہ، خیرات سے ہی روک دیتا ہے اور دس طرح کے عذر پیش کرتا ہے کہ کہیں تم خود مفلس نہ ہو جاؤ، تمہارے مرنے کے بعد اولاد کا کیا ہوگا وغیرہ وغیرہ اس کے باوجود اگر کوئی شخص اپنا مال فی سبیل اللہ خرچ کر ہی دے تو پھر اس عبادت گزار بندے کو یا تو عجب میں مبتلا کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ شخص خود کو دوسروں سے افضل سمجھنے لگتا ہے یا پھر اسے ریا کاری کے جال میں پھانس لیتا ہے لہٰذا وہ شخص انتہائی جانفشانی سے اللہ کی عبادت کرتا ہے مگر مخلوق سے بھی اپنی تعریف

سننا چاہتا ہے جس کی وجہ سے اس کا بڑے سے بڑا عمل ضائع ہو جاتا ہے اور یہی شیطان کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایسے ہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ لوگ اپنے پہاڑ جیسے اعمال لے کر قیامت کے روز بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوں گے تو ان کے اعمال رائی کے دانے کے برابر حیثیت کے حامل بھی نہیں ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے لوگوں سے اپنی تعریف سننے کے لئے یہ عمل کیا تھا اور تمہاری تعریف کی جا چکی لہٰذا اب یہاں کیا لینے آئے ہو؟

ابلیس نے تخلیق آدم کے وقت قسم کھائی تھی اور عہد کیا تھا کہ میں تیرے بندوں کو بہکاؤں گا اور ان کے سامنے گناہوں کو مزین کر کے پیش کروں گا اور انہیں لمبی لمبی آرزوؤں میں مبتلا کروں گا جبکہ ہم نے عالم ارواح میں بھی اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا اور کلمہ طیبہ کے ذریعے بھی یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے، صرف اور صرف تجھے ہی اپنا معبود مانیں گے، قولاً بھی اور فعلاً بھی مگر کس قدر افسوس کی بات ہے اور شرم کا مقام ہے کہ ابلیس جیسا اللہ تعالیٰ کا کھلا نافرمان اور دغاباز تو اپنے عہد پر قائم ہے جبکہ ہم حق کے پیروکار، صاحب ایمان اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہونے کے باوجود اپنے عہد کی پاسداری نہیں کرتے۔

ذرا سوچئے! اگر ساری دنیا بھی ہمیں کہے کہ بڑا نیک ہے، دیندار ہے، نمازی ہے، حاجی ہے، سخی ہے وغیرہ وغیرہ تو اس سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟ سوائے اس کے کہ ہمارا نفس پھول کر کپا ہو جائے اور ہم خود کو بڑا نیک اور متقی سمجھنے لگیں جس سے ''نیکی برباد، گناہ لازم'' کے مصداق اپنی آخرت تباہ کر بیٹھیں گے اور دنیا میں بھی آخر کار ذلت ہی مقدر ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک نہ ایک دن بھید کھول دے گا کہ یہ شخص ریا کار ہے کیونکہ لوگوں کی نظروں میں کسی کو عزت والا بنانا یا ذلیل کرنا خالق کائنات کے ہاتھ میں ہے لہٰذا ریا کار آدمی کا خول بہت جلد اتر جاتا ہے جبکہ اخلاص دنیا وآخرت میں کامیابی کا ذریعہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ایک منادی اعلان کرے گا کہ جس شخص نے اپنے کسی عمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا ہے وہ اس شریک سے اپنا ثواب مانگ لے، اللہ جل شانہ شرکت سے بے نیاز ہے (مشکوٰۃ)۔ نیز حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ میں سب شریکوں میں سب سے زیادہ بے نیاز ہوں، جو شخص کسی عبادت میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کر دیتا ہے، میں اس عبادت کرنے والے کو اس کے (بنائے ہوئے) شریک کے ساتھ چھوڑ دیتا ہوں (مشکوٰۃ)۔

بزرگان دین ریا کاری سے بہت ڈرتے تھے اور اس حوالے سے بڑی احتیاط کرتے تھے کیونکہ وہ صاحب علم تھے اور قرآن وحدیث کو اچھی طرح سمجھنے والے تھے، شیطان کے مکروفریب سے بھی بخوبی آگاہ تھے لہٰذا وہ اپنی عبادت کو ریا کاری کے باعث ضائع ہونے سے بچانے کے لئے بڑے جتن کیا کرتے تھے مثلاً بعض بزرگوں کے بارے میں روایت ہے کہ جب وہ نفلی روزے سے ہوتے اور کوئی شخص انہیں کھانے، پینے کی کوئی چیز پیش کرتا تو محض اس خیال سے روزہ توڑ کر کھا پی لیتے کہ لوگوں کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ حضرت کثرت سے روزے رکھتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ تعریفیں کرنے لگیں اور اس طرح ان کے دل میں ریا کاری پیدا ہو۔ اس وجہ سے مسلمانوں کو یہ ترغیب دی گئی ہے کہ وہ نوافل وغیرہ مسجد کے بجائے گھر پر پڑھیں تاکہ ریا کاری سے بچ سکیں، اسی طرح اکثر بزرگ صدقہ، خیرات انتہائی خفیہ طریقے سے دیا کرتے تھے تاکہ لوگوں میں یہ شہرت نہ ہو کہ فلاں شخص بہت سخی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اے ایمان والو! تم احسان جتا کر یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو جس طرح وہ شخص (برباد) کرتا ہے جو اپنا مال لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے خرچ کرتا ہے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور قیامت کے دن پر، اس شخص کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک چکنا پتھر ہو جس پر کچھ مٹی آ گئی ہو (اور اس مٹی پر کچھ سبزہ وغیرہ جم گیا ہو) پھر

اس پتھر پر زور کی بارش پڑ جائے سو وہ اس کو بالکل صاف کر دے گی (اسی طرح احسان رکھنے والوں، ایذا دینے والوں اور ریا کاروں کا خرچ کرنا بھی بالکل صاف ہو جائے گا اور قیامت کے روز) ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی۔ یعنی جو نیکیاں کی تھیں، صدقات دیئے تھے، سب ضائع ہو جائیں گے (سورۂ بقرہ)۔

اس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ ریا کار نہ تو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ روز قیامت پر کیونکہ اگر اللہ پر ایمان رکھتا تو تمام اعمال صرف رب کائنات کی خوشنودی کے لئے ہی کرتا اور اگر روز قیامت پر ایمان رکھتا تو اپنا عمل قیامت کے لئے رکھ چھوڑتا، دنیا میں مخلوق سے تعریف وتوصیف کا طالب نہ ہوتا اور اس کا ڈھیر سارا خوش نما نظر آنے والا عمل ایسا ہی ہے جیسے تیز بارش کسی پتھر پر اگنے والے سبزے کو بہا کر لے جاتی ہے کیونکہ اس سبزے کی بنیاد انتہائی کمزور ہوتی ہے، اسی طرح مخلوق کو دکھانے کے لئے کیا جانے والا عمل بھی بے بنیاد ہوتا ہے۔

عقلاً بھی یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ کوئی شخص محنت تو کرے کسی اور کے لئے اور صلہ مانگے کسی اور سے، اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت زیادہ اہمیت کے ساتھ اپنی امت کو متنبہ فرمایا ہے کہ جو کام بھی کیا جائے وہ خالص اللہ جل شانہ کے لئے کیا جائے اور جتنا بھی اہتمام ہو سکے اس کا کیا جائے کہ اس میں ریا اور نام ونمود کا شائبہ بھی نہ آنے پائے مگر اس جگہ شیطان کے ایک بڑے فریب سے بے فکر نہ ہونا چاہئے کہ وہ اکثر عبادت گزار لوگوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کرتا ہے کہ اخلاص تو ہے ہی نہیں لہٰذا ایسی عبادت کا کیا فائدہ؟ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ شیطان اول تو نیک کام سے روکتا ہے لیکن جب آدمی اپنی ہمت سے اس کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کے روکنے کے باوجود عمل کر لیتا ہے تو وہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ تجھ میں اخلاص تو ہے ہی نہیں لہٰذا ایسی عبادت سے کیا فائدہ؟ اس قسم کے وسوسے پیدا کر کے نیک کام سے روک دیتا ہے اور جب آدمی رک جاتا ہے تو اس کی

غرض پوری ہو جاتی ہے (احیاء العلوم)۔

لہٰذا محض اس خیال سے رکنا نہیں چاہئے کہ اخلاص تو ہے ہی نہیں بلکہ نیک کام میں اخلاص کی کوشش کرتے رہنا چاہئے اور دعا کرتے رہنا چاہئے کہ ''یا اللہ! تو نے عبادت کی توفیق عطا فرمائی ہے تو اخلاص بھی نصیب فرما دے''۔

آج ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ لیا ہے۔ ہمارا ہر عمل نام و نمود اور شہرت کے لئے ہے۔ میڈیا کے نمائندوں کے بغیر مستحقین میں خیرات و زکوٰۃ کی تقسیم کا عمل مکمل نہیں ہوتا، ہماری گفتگو میں اپنی عبادت اور پرہیزگاری کا ذکر موقع، بے موقع ضرور شامل ہوتا ہے، کسی کے ساتھ نیکی کر کے جب تک سینکڑوں لوگوں کے سامنے بیان نہ کر لیں، دل کو تسلی نہیں ہوتی، اگر ہر نیکی کا بدلہ یہیں حاصل کرنا ہے اور ہماری عبادت کا مقصد مخلوق کی نظروں میں اچھا بننا ہی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سے ہم کس چیز کے بدلے کے طلب گار ہیں، قیامت کے دن کے لئے ہم نے بچا کے رکھا ہی کیا ہے جس کے صلے کے امیدوار ہیں، ہم نے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حق ادا ہی کب کیا ہے جو ہم یہ سمجھیں کہ ہم جنت کے حق دار ہیں؟ اس لیے خدارا! صدقہ چاہے ایک کھجور کے برابر ہو یا اربوں، کھربوں روپے لیکن اسے ریاکاری کے ذریعے ضائع مت کیجیے۔ تھوڑی سی واہ واہ کی خاطر دائمی خسارے کا سودا مت کیجیے اور یاد رکھیے کہ بظاہر یہ واہ واہ کرنے والے لوگ بھی پیٹھ پیچھے باتیں ہی بناتے ہیں اور ویسے بھی تمام انسانوں کے قلوب رب کائنات کی مٹھی میں ہیں۔ اگر وہ چاہے تو بالکل خفیہ طریقے سے صدقہ کرنے والے کے لیے بھی لوگوں کے دلوں میں محبت اور عزت پیدا فرما دے اور اگر وہ چاہے تو لوگوں کو دکھانے کے لیے بڑی بڑی رقمیں بانٹنے والوں کو مخلوق کی نظروں میں ذلیل و رسوا فرما دے لہٰذا اگر آپ اپنی نیک نامی چاہتے ہیں تب بھی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ دیجیے، اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت، دونوں جہان میں سرخ روئی عطا فرمائے گا۔

مسلمان کی اچھی شہرت اور ریاکاری

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے منقول ایک روایت کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: حضرت! اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو نیکی کے کام کرتا ہے اور لوگ اس کی چاہت اور خواہش کے بغیر اس کی تعریف کرتے ہیں۔

آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ تو اس مسلمان کی نقد خوشخبری ہے۔''

جس روایت کا مفہوم ذکر کیا گیا، یہ صحیح مسلم شریف کی حدیث مبارکہ ہے۔ اس حدیث مبارکہ میں بڑی خوبصورتی سے انتہائی اہم ترین باتوں کا حل بیان فرمایا گیا ہے کیونکہ ریاکاری یعنی دکھاوا کرنا، کوئی بھی نیکی کا کام اللہ کی رضامندی کے بجائے لوگوں کی خوشنودی اور واہ واہ کیلئے کرنا ریاکاری کہلاتا ہے اور دیگر احادیث میں ریاکاری کو شرک کا ایک درجہ اور شعبہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ ریاکار لوگوں میں شہرت کا طلبگار، درحقیقت اپنی عبادت و ریاضت محض اپنی ذات اور لوگوں میں جھوٹے مقام کیلئے کرتا ہے اور یوں وہ اپنی عبادات میں لوگوں کو شریک ٹھہرا کر شرک کے ناقابل معافی جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔

ریاکاری اور دکھاوے کی مثال کو واضح کرتے ہوئے اللہ والوں نے ایک سیدھی سادی سی بات سمجھائی ہے کہ ایک بھری ہوئی دودھ کی پاکیزہ بالٹی میں اگر ایک قطرہ شراب یا پیشاب کا ڈال دیا جائے تو اُس ایک قطرے سے بظاہر نہ رنگ بدلے گا، نہ ہی بو اور ذائقے میں کوئی تبدیلی آئے گی لیکن وہ ایک قطرہ اس پوری بالٹی کو ناپاک کرنے کیلئے کافی ہوگا۔ بالکل اسی طرح پاکیزہ اور پرخلوص عبادت میں ریاکاری کی آمیزش اور ملاوٹ اُسے دربارِ خداوندی میں قربِ الٰہی کی منزل سے دور کر کے شرک جیسے قبیح جرم میں مبتلا کر دیتی ہے۔ بظاہر نیک اور نیکی کے کام کرنے والا لوگوں میں اچھی شہرت کا حامل

شخص بھی دربار خداوندی میں مردود ٹھہرتا ہے۔

مسلم شریف ہی کی ایک طویل اور مشہور حدیث مبارکہ کا مختصراً خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن دوزخ میں ڈالے جانے کا پہلا فیصلہ ریاکار عالم و عابد، ریاکار مجاہد و شہید اور ریاکار سخی کے بارے میں کیا جائے گا۔

اسی طرح ترمذی شریف کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کیلئے دین استعمال کرنے والوں کو ''جب الحزن'' میں ڈالا جائے گا اور یہ جہنم کا وہ مقام ہے کہ جس سے خود جہنم بھی روزانہ چارسو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ ریاکاری اور دکھاوے کے متعلق آقا علیہ السلام کے فرامین اور ہدایات نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی فرشتہ صفت جماعت کو مزید محتاط اور خوفزدہ بنادیا تھا اور وہ حق وانصاف کے حقیقی معیار اس بات سے بھی خوفزدہ تھے کہ کسی نیک عمل پر دنیا کے لوگ تعریف کریں یا نیکی کی وجہ سے محبت کرنے لگیں تو معلوم نہیں کہ وہ نیک عمل اللہ کے یہاں مقبول بھی ہوگا یا نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ لوگوں میں اچھی شہرت ہی نیکی کا صلہ بن جائے۔

اس سے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تھا، جس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کی نیکی کی شہرت ہوجانا اور لوگوں کا اس کی تعریف کرنا یا اس سے محبت کرنا کوئی بری بات نہیں ہے بلکہ سمجھنا چاہئے کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے آخرت میں ملنے والے انعام سے پہلے اس دنیا میں نقد صلہ اور اس بندے کی مقبولیت ومحبوبیت کی ایک خوشخبری اور علامت ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے، اسی حال میں ایک شخص آیا، اس نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اس بات سے خوشی پیدا ہوئی کہ اس شخص نے مجھے نماز جیسے اچھے کام میں مشغول دیکھا ہے۔ میں نے ڈر اور گھبراہٹ کے عالم میں حضور صلی اللہ علیہ

وسلم سے دریافت کیا کہ کہیں یہ بھی ریاکاری کی کوئی شاخ تو نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان دلایا کہ یہ ریاکاری اور دکھاوا نہیں ہے بلکہ تمہیں اس صورت میں خلوت یعنی تنہائی اور جلوت یعنی لوگوں کے سامنے دہری نیکی کا ثواب ملے گا۔

اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ جو نیک اعمال اخلاص کے ساتھ صرف اللہ ہی کیلئے کئے جائیں اور عمل کرنے والے کے ارادے اور کوشش کے بغیر اللہ کے دوسرے بندوں کو اس کا علم ہوجائے اور پھر اس کو اس سے خوشی ہو تو یہ اخلاص کے منافی بھی نہیں اور نہ ہی ریاکاری ہے بلکہ اس عمل کی قبولیت کی علامت ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نیک عمل سب کے سامنے اس لئے کرتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس کی اقتدا کریں اور سیکھیں تو یہ بھی دکھاوا نہ ہوگا بلکہ اس صورت میں اسے تعلیم وتبلیغ کا بھی ثواب ملے گا۔

خلاصہ یہ کہ اگر بندے کی اپنی نیت صاف ہو تو صرف لوگوں کی تعریف کرنے سے کچھ نقصان نہیں ہوتا بلکہ یہ تو اللہ کی طرف سے نیک بندوں کیلئے ان کے اچھے کاموں پر ملنے والے انعام کی نقد بشارت ہوتی ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب اللہ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو لوگوں کے دلوں میں بھی اس کی محبت ڈال دیتا ہے مگر خود عمل کرنے والے کو اس کا طلبگار نہیں ہونا چاہئے۔

ایک اور روایت کی روشنی میں ہم سب خود اپنا احتساب کریں کہ کہیں ہم ریاکار تو نہیں، کہیں بھی کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ریاکار کی علامات میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ جب لوگوں کے درمیان ہوتا ہے تو خوب خوشی سے عمل کرتا ہے مگر جب اکیلا ہوتا ہے تو سست پڑ جاتا ہے اور یہ بھی پسند کرتا ہے کہ ہر بات پر اس کی تعریف کی جائے۔ ہم سب کو خود اپنا احتساب اور محاسبہ کرتے رہنا چاہئے کیونکہ ضمیر کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ ہم اُسے میٹھی لوریاں دے کر جتنا مرضی سلا دیں لیکن وہ کبھی نہ کبھی کانٹا بن کر چبھتا ضرور ہے اور یہی وہ سچی اور حقیقی خوشی ہوتی ہے جو نوید انقلاب بن کر بڑے بڑے

برے لوگوں کو اچھا بنا دیتی ہے۔ آیئے ہم بھی آج سے بلکہ ابھی سے اپنے اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور نیکی خواہ نماز کی شکل میں ہو، ذکر اذکار کی صورت ہو یا صدقہ خیرات، ہر نیکی اس طرح کریں کہ دوسرے لوگوں کو پتا بھی نہ چلے۔ جیسا کہ صدقے کے بارے میں آتا ہے کہ صدقہ اس طرح دینا چاہیے کہ دائیں ہاتھ سے دے تو بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو یعنی حتی الامکان کوشش یہ کرے کہ صدقہ، خیرات چھپ کر کرے لیکن اگر اس کے باوجود نہ چاہتے ہوئے بھی اوروں کو معلوم ہو جائے تو پھر یہ نہ تو ریاکاری ہے اور نہ ہی اس میں کوئی گناہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو نیت کو دیکھتا ہے۔

سود اور صدقہ

دیگر اخلاق رذیلہ کے ساتھ ساتھ سود خوری بھی اہل عرب کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی تھی۔ پہلے تو وہ مختلف ناجائز طریقوں سے مال جمع کرتے پھر اسے سود پر دے کر غریبوں کا خون چوستے رہتے، وہ کاشت کاروں اور دوسرے ضرورت مند لوگوں کو سود پر قرضہ دیتے اور جب تک قرض وصول نہ ہو جاتا، سود در سود بڑھاتے چلے جاتے جس کے نتیجے میں قرضہ اصل رقم سے کئی گنا بڑھ جاتا اور قرض لینے والا اس کے بوجھ تلے دب کر ساری زندگی سود ہی ادا کرتا رہتا۔ اس طرح امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا چلا جاتا۔

اسلام چونکہ ایک دین فطرت ہے لہٰذا دیگر معاملات کی طرح اس معاملے میں بھی انسانی تقاضوں، ان کی ضروریات، سہولت اور فطرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سود کے لین دین پر پابندی عائد کرتے ہوئے اسے حرام قرار دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ اسے ظلم قرار دیتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کے مترادف قرار دیا۔ اسلام نے بتدریج سود پر پابندی عائد کی۔ پہلے یہ آیت نازل ہوئی۔

مسلمانو! دگنا چوگنا سود نہ کھایا کرو اور خدا سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ (آل عمران)۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے ہم جنس اشیاء کا باہم گھٹا بڑھا کے مبادلہ منع فرمایا۔ ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے موقع پر مسلمانوں نے یہودی سوداگروں سے لین دین شروع کیا تو اس وقت آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ سونے کی اشرفی کے بھاؤ گھٹا بڑھا کر بیچنا بھی سود ہے (صحیح مسلم)۔

سود کی حرمت کے متعلق تفصیلی احکام ۸ھ میں نازل ہوئے۔ آل عمران کے بعد سورۂ بقرہ میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی:

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح شیطان کسی کو چھو کر مخبوط بنا دیتا ہے، اس لئے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ بیع اور سود کا معاملہ ایک ہی ہے اور خدا نے بیع کو تو حلال کیا اور سود کو حرام کر دیا پس جس کے پاس خدا کی طرف سے نصیحت کی بات پہنچی اور وہ باز آ گیا تو اس کو وہی لینا چاہئے جو پہلے دیا ہے۔

پھر تھوڑے ہی وقفے کے بعد غالباً ۸ھ میں یہ آیت نازل ہوئی:

مسلمانو! خدا سے ڈرو اور سود جو باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم سچے مومن ہو، اگر یہ نہ کرو تو خدا اور رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، اگر باز آ جاؤ تو تم کو اپنے راس المال کا حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو، نہ تم پر کوئی ظلم کرے (سورۃ البقرہ)۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے مسجد میں تمام مسلمانوں کو جمع کر کے یہ حکم سنایا (صحیح بخاری)۔

۹ھ میں اہل نجران سے جو معاہدات ہوئے ان میں ایک دفع یہ بھی تھی کہ سود نہ لیں گے (ابوداؤد)۔

۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر اس آیت کے نزول سے پہلے جس قدر سودی معاملات تھے، آپ ﷺ نے سب کو کالعدم قرار دے دیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سود کی حرمت کا حکم اسلام کے سلسلہ احکام کی سب سے آخری کڑی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو..... (ان میں سے ایک ہے) سود کھانا..... (مشکوٰۃ شریف)۔

سود کے باعث خود روپیہ دولت کمانا شروع کر دیتا ہے اور تمام غریبوں وسفید پوشوں کا روپیہ سمٹ کر سود خور کی تجوری میں جمع ہونا شروع ہو جاتا ہے جس سے ایک طرف تو معاشی ومعاشرتی ناہمواری پروان چڑھتی ہے جبکہ دوسری جانب سرمائے کا انجماد

اور ارتکازِ زر معیشت کی تباہی کا سبب بنتا ہے اور اس بات پر دنیا بھر کے ماہرین معیشت متفق ہیں کہ کسی بھی قوم کی اقتصادی ترقی کے لیے سرمائے کی گردش بنیادی چیز ہے۔ جب سرمایہ گردش میں رہے گا تو فیکٹریاں قائم ہوں گی، مارکیٹیں بنیں گی، تجارت پروان چڑھے گی لہٰذا لوگوں کو روزگار ملے گا، کاروبار پھلے پھولے گا اور معاشی خوشحالی آئے گی، لوگ ایک دوسرے کی مالی مدد کریں گے، نیکی کے کاموں میں دل کھول کر خرچ کریں گے، فلاحی ادارے، اسکول، مدارس، اسپتال قائم ہوں گے جس کے نتیجے میں ایک معاشی طور پر مضبوط، اپنے دفاع میں خود کفیل، خوشحال اور فلاحی معاشرہ وجود میں آئے گا جہاں کے لوگ دوسروں کا خون چوسنے کے بجائے ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں گے۔

اس کے برعکس سودی معاشرے میں دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ جاتی ہے اور سرمایہ دار اپنا سرمایہ تعمیری سرگرمیوں، تجارت اور عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کرنے کے بجائے مجبور لوگوں کو سود پر روپیہ دیتے ہیں اور اس روپے کے ذریعے مزید روپیہ کھینچ کر اپنی تجوریاں بھرتے رہتے ہیں جس سے سرمایہ منجمد ہو جاتا ہے اور نتیجتاً معاشی ترقی کا پہیہ بھی منجمد ہو جاتا ہے جبکہ دوسری جانب جو شخص ایک مرتبہ قرض لے لیتا ہے خواہ وہ کاروبار کے لیے ہو، مکان کی تعمیر کے لیے ہو یا دیگر گھریلو ضروریات پوری کرنے کے لیے، وہ زندگی بھر کے لیے سود در سود کے چکر میں پھنس جاتا ہے اور سود خور اس کی مجبوری و بے بسی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے جس کے باعث معاشرے میں سنگدلی، بے رحمی، خود غرضی، سفاکی، حرام خوری اور ظلم پروان چڑھتا ہے اور انسانیت، ہمدردی، اخوت، رواداری، مساوات اور ایثار جیسی صفات قصۂ پارینہ بن جاتی ہیں۔

عموماً انسان انتہائی مجبوری کے عالم میں قرض لیتا ہے اور سود پر قرض تو اس سے بھی زیادہ مجبوری کی حالت میں لیا جاتا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس شخص کے لیے قرض کی ادائیگی ایک کٹھن مرحلہ ہے اس کے لئے سود اور سود مرکب تو موت کے پیغام کے

مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دیہی علاقوں میں جاگیردار اور وڈیرے غریب دیہاتیوں کو سود پر قرض دیتے ہیں اور بروقت ادائیگی نہ ہونے پر سود کی رقم بڑھاتے چلے جاتے ہیں جو اصل رقم سے کئی گنا زیادہ ہوجاتی ہے آخر کار مقروض اپنی زمین، اپنے گھر اور گھریلو سامان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ اکثر تو اسے اور اس کے اہل خانہ کو بھی قید کر کے اپنا غلام بنالیا جاتا ہے اور پھر ان پر ظلم کے وہ پہاڑ توڑے جاتے ہیں جنہیں دیکھ کر آسمان کانپ اٹھتا ہے اور اس طرح کے واقعات آئے دن میڈیا کے ذریعے منظر عام پر آتے رہتے ہیں۔

اس وقت پوری دنیا میں سودی نظام اپنی جڑیں مضبوط کر چکا ہے۔ ایک چھوٹے سے کارخانے سے لے کر بڑی بڑی ریاستوں تک اس بری طرح سودی جال میں جکڑی ہوئی ہیں کہ اس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہے اور ایک عام آدمی سے لے کر بڑے بڑے سرمایہ داروں تک سود کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، الا ماشاء اللہ۔ غالباً اسی دور کے بارے میں احادیث نبوی میں اشارہ ہے کہ سود اس قدر عام ہوجائے گا کہ کم از کم اس کے غبار سے تو کوئی بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ اسی سودی نظام کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا بھر کے انسان دو طبقات میں تقسیم ہوتے چلے جارہے ہیں۔ امیر، امیر تر ہوتے جارہے ہیں اور غریب، غریب تر۔

پوری دنیا میں جس قدر کوششیں غربت مٹانے کے لیے ہورہی ہیں اس کے نتیجے میں تو اب تک غربت کا خاتمہ ہوجانا چاہئے تھا پھر کیا وجہ ہے کہ اقوام متحدہ سمیت تمام متعلقہ ادارے چیخ رہے ہیں کہ غربت کی شرح میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے جبکہ دوسری جانب دنیا بھر کے تفریحی مقامات، ہوٹل، شاپنگ سینٹرز اور عیاشی کے اڈے ''ہاؤس فل'' کا منظر پیش کررہے ہیں، اس کی وجہ صرف ایک ہے اور وہ ہے اصولِ فطرت سے بغاوت، خالق کائنات نے سود کو ظلم اور اللہ و رسول ﷺ سے جنگ قرار دیا ہے اور دنیا کی

کوئی بھی قوم ظالم بن کر اور خالق کائنات سے جنگ کر کے ایک خوشحال، پرامن، فلاحی معاشرہ تشکیل دینے میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ سود بن کر لوگوں کے مال میں بڑھوتری کا سبب بنے، تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو کچھ زکوٰۃ (وغیرہ) دو گے جس سے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو تو ایسے لوگ اپنے دیے ہوئے مال کو اللہ تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہتے ہیں (سورہ روم: ع ۵)۔

یہاں دو باتیں سمجھنے کی ہیں: پہلی یہ کہ سود بظاہر کتنا ہی بڑھتا اور پھلتا پھولتا ہوا نظر آئے لیکن وہ خود بھی بہت جلد ختم ہوجاتا ہے اور اپنے ساتھ اصل زر کو بھی لے ڈوبتا ہے جبکہ اس کے برعکس صدقات سے بظاہر مال کم ہوتا نظر آتا ہے لیکن درحقیقت اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور وہ مال جا کر بھی نہ صرف واپس آجاتا ہے بلکہ کئی گنا بڑھ کر آتا ہے، آزمائش شرط ہے۔ دوسری بات یہ کہ سودی مال سے خواہ کتنا ہی صدقہ خیرات کیا جائے، اس کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک مال پسند فرماتا ہے جبکہ سودی مال نہ صرف یہ کہ ناپاک ترین ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کے مترادف ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اگر سود لینے سے باز نہیں آئے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔

اب جس کے ساتھ رب کائنات نے جنگ کا اعلان کر رکھا ہو، اس کا مال کیسے قبول کرسکتا ہے؟ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ سود سے مکمل اجتناب برتا جائے اور صدقہ سودی مال کے بجائے حلال وطیب مال سے کیا جائے تاکہ دونوں جہاں میں کامیابی حاصل ہوسکے۔

زکوٰۃ اسلام کا بنیادی رکن

زکوٰۃ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ہے اور اس کی اہمیت کا اندازا اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن پاک میں تقریباً 82 مقامات پر نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا بھی حکم فرمایا گیا ہے اور جہاں جہاں صرف زکوٰۃ کا حکم ہے، وہ اس کے علاوہ ہے۔

حضورﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جو زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے (قرآن پاک میں) اس کو نماز کے ساتھ جمع کیا ہے۔ پس ان دونوں میں فرق نہ کرو (کنز العمال)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اور قائم کرو تم لوگ نماز اور دو زکوٰۃ اور عاجزی کرو، عاجزی کرنے والوں کے ساتھ (یا رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ)۔ (سورہ بقرہ: ع ۵)۔

نبی کریمﷺ نے فرمایا:

جو شخص مال کی زکوٰۃ ادا کرے تو اس مال کا شر اس سے جاتا رہتا ہے (طبرانی، الترغیب والترہیب)۔

نیز فرمایا کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعہ سے محفوظ بناؤ اور اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو اور بلاء و مصیبت کی موجودگی کا دعا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی سے استقبال کرو (ابوداؤد، طبرانی، بیہقی)۔

قرآن پاک میں بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

آپ (ﷺ) ان کے مالوں سے صدقہ لے لیجیے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو (گناہ کے آثار سے) پاک صاف کردیں گے (سورہ توبہ: ع ۱۳)۔

یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ تو کسی کی زکوٰۃ، خیرات کی ضرورت ہے اور نہ ہی عبادات کی بلکہ زکوٰۃ کا حکم اور نفلی صدقات کی ترغیب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال و زر عطا فرمایا ہے، اپنے غریب و نادار بھائیوں کی مدد کریں تاکہ ان کا بھی کام چل سکے اور دینے والا بھی دنیوی و اخروی فوائد سمیٹ سکے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام چونکہ دین فطرت ہے لہٰذا وہ اس اصول معاشیات کو پیش نظر رکھتا ہے کہ سرمائے کا انجماد سرمایہ دار، معیشت اور معاشرے کی معاشی تباہی کا باعث ہے لہٰذا اول تو اسلام ہوس زر کو ایک ناپسندیدہ فعل قرار دیتا ہے لیکن اگر کسی کے پاس مال و دولت ہے تب بھی اسلام اسے مختلف مواقع پر وہ مال خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ سرمایہ گردش میں رہے اور معیشت کا پہیہ رواں دواں رہے لہٰذا اسلام اپنے پیروکاروں کو حکم دیتا ہے کہ وہ سال گزرنے پر اپنے مال میں سے ڈھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کریں، اگر زمیندار ہے تو عشر ادا کرے، اگر استطاعت رکھتا ہے تو فریضۂ حج ادا کرے، عیدالاضحیٰ پر قربانی کرے، رمضان میں فطرہ ادا کرے، اگر نماز، روزے سے معذور ہے تو فدیہ ادا کرے جبکہ اس کے علاوہ بھی ضرورت مندوں کی مدد کرنے، مساجد و مدارس کی تعمیر، پانی کی فراہمی کے لیے کنویں، سبیل وغیرہ کا انتظام اور دیگر فلاحی کاموں کی بھی ترغیب دیتا ہے۔

اگر تمام سرمایہ دار اسلامی احکام کی پیروی کرتے ہوئے صدقات واجبہ اور نفلی صدقات کی ادائیگی کا اہتمام کریں تو نہ صرف یہ کہ مستحقین کے بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے بلکہ ایک کثیر سرمایہ تجوریوں سے نکل کر مارکیٹ میں آئے گا جس سے پورے معاشرے کو معاشی فوائد حاصل ہوں گے جیسا کہ اسلامی نظام کے نفاذ اور نظام زکوٰۃ و عشر کی ہی برکت تھی کہ خلفاء راشدین کے دور میں لوگ صدقات کی ادائیگی کے لیے مستحقین کو تلاش کرتے پھرتے تھے لیکن کوئی لینے والا نہیں ملتا تھا۔

مال و دولت، نعمت خداوندی

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں کچھ لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ مسجد میں تشریف لائے تو ان سے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ نماز تو ہو چکی ہے؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ ان کے پاس سے چلے گئے۔ دوسرے دن جب امیر المؤمنین تشریف لائے تو وہ لوگ پھر بیٹھے ہوئے تھے تو آپؓ نے ان سے پوچھا کہ کیسے بیٹھے ہوئے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ جی ہم اللہ کو یاد کر رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کوڑا اٹھایا اور انہیں مارنے لگے کہ جلدی مسجد سے نکلو اور پھر ارشاد فرمایا: آسمان سے سونا و چاندی نہیں اترتا، باہر نکلو اور کام کاج کرو۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت! مجھے رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دیجئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی رہبانیت نماز کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھنا ہے۔ (شرح السنہ)۔

اسلام ایک اعتدال پسند دین ہے جو ہر موقع پر میانہ روی اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ نہ تو رہبانیت اختیار کر کے تارک الدنیا ہونے کا حامی ہے اور نہ ہی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ ایک مسلمان اپنی زندگی کا مقصد پیسہ کمانے کو بنا کر ابن الدنیا بن جائے بلکہ اس کی تمام تر تعلیمات فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں۔ یہ اس بات کا داعی ہے کہ حلال و جائز طریقے سے دولت بھی کماؤ، دنیا کو بھی برتو، خالق کائنات کی عطا کردہ نعمتوں سے لطف حاصل کرو، جدید ترین ایجادات سے استفادہ کرو، عزیز و اقارب و دیگر افراد کے ساتھ مل کر زندگی کا لطف حاصل کرو اور معاملات بھی برتو مگر یہ سب کچھ حدود و قیود

کے اندر رہ کر اور اسلامی احکام کے مطابق کرو، شتر بے مہار نہ بنو۔ مال کے بہت سے فوائد ہیں، انسان مال کے ذریعے جنت کما سکتا ہے، مال سے مسجدیں بنائی جا سکتی ہیں، مدارس بن سکتے ہیں، حج مال کے بغیر نہیں ہوتا، کھجور کا ایک ٹکڑا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے جہنم سے پناہ حاصل ہو سکتی ہے تو کیا اللہ کی راہ میں، غریبوں اور ناداروں پر مال نچھاور کر کے جنت نہیں حاصل ہو سکتی؟ مال ولایت کی راہ میں بھی رکاوٹ نہیں ہے۔ صحابہؓ میں بہت سے حضرات کو اللہ تعالیٰ نے مال کی فراوانی عطا کی تھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دسترخوان پر پانچ سو آدمی صبح اور پانچ سو شام کو کھانا کھاتے تھے۔

حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ فقراء مہاجرین جمع ہو کر حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ مالدار سارے بلند درجے لے اڑے اور ہمیشہ کی رہنے والی نعمت ان ہی کے حصہ میں آ گئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیوں؟ عرض کیا کہ نماز، روزہ میں تو یہ ہمارے شریک ہیں کہ ہم بھی کرتے ہیں، یہ بھی اور مالدار ہونے کی وجہ سے یہ لوگ صدقہ کرتے ہیں، غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم ان چیزوں سے عاجز ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں کہ تم اس پر عمل کر کے اپنے سے پہلوں کو پکڑ لو اور بعد والوں سے بھی آگے بڑھے رہو اور کوئی شخص تم سے اس وقت تک افضل نہ ہو جب تک ان ہی اعمال کو نہ کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: ضرور بتا دیجئے۔ ارشاد فرمایا: ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر ۳۳، ۳۳ مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ ان حضرات نے شروع کر دیا۔ جب مالداروں کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی یہی پڑھنا شروع کر دیا تو فقراء دوبارہ حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ! ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی سن لیا اور وہ بھی یہی کرنے لگے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے، اسے کون روک سکتا ہے؟ (متفق علیہ)۔

بعض لوگ ترک دنیا کو نیکی سمجھتے ہیں کہ نہ گھر بار کی ضرورت ہے نہ مال کمانے کی، نہ

شادی کی ضرورت ہے نہ محنت مزدوری کی، تن تنہا جنگل میں نکل جاؤ، دنیا بھر سے قطع تعلق کرلو اور ہر وقت اللہ اللہ کرتے رہو اور اسے سب سے بڑی عبادت تصور کرتے ہیں، یہ عبادت نہیں رہبانیت ہے جیسا کہ عیسائی مذہب میں راہبوں اور ہندو مذہب میں جوگیوں کا یہ طریقہ ہے کہ تارک الدنیا ہو کر جنگل بیابان میں نکل جاتے ہیں، کوئی سر کے بل کھڑا ہے، کسی نے ہاتھ کھڑے کئے ہوئے ہیں، کوئی ایک پاؤں پر کھڑا ہے، کوئی کنویں میں لٹکا ہوا ہے وغیرہ وغیرہ اور اسے بہترین عبادت اور قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں سب سے آسان کام تارک الدنیا ہو کر جنگل میں جا کر رہنا ہے کیونکہ وہاں نہ دنیا کی ذمہ داریاں ہیں اور نہ ہی گناہوں کا امکان، نہ کھانے کمانے اور اہل وعیال، عزیز واقارب کی کفالت وحقوق کا بوجھ اور نہ ہی گناہ کے اسباب لہٰذا محنت مزدوری سے بھی بچ گیا اور گناہوں سے بھی جبکہ اصل زندگی یہ ہے کہ آدمی اس بھرے پرے معاشرے میں رہے، حرام کے مواقع حاصل ہونے کے باوجود حلال روزی کمانے کے لئے دھکے کھائے، گناہوں کے مواقع حاصل ہونے کے باوجود صرف خوفِ الٰہی کی وجہ سے گناہوں سے باز رہے، اہل وعیال کے حقوق بھی ادا کرے اور عزیز واقارب کے بھی، اپنے اوپر اور اہل خانہ پر آنے والی بیماریاں وپریشانیاں بھی برداشت کرے اور دوسروں کی جانب سے پہنچنے والی تکالیف بھی، یہ زندگی رہبانیت کے مقابلے میں بہت زیادہ مشکل ہے لیکن ہمارے دین کی تعلیم یہی ہے کہ جنگل کی طرف راہ فرار اختیار کرنے کے بجائے ''انسانوں کے اس جنگل'' میں رہ کر زندگی گزارو اور ایسی تقویٰ والی زندگی گزارو کہ لوگ رہبانیت کو بھول جائیں، انسانوں کے اس جنگل میں رہو جہاں شیر بھی ہیں اور بھیڑیے بھی، ہاتھی بھی ہیں اور مگرمچھ بھی، ان سب کے شر سے بچ کر جیو، صرف یہی نہیں بلکہ طاقت ور ہونے کے باوجود دوسروں کا شکار کرنے اور دوسروں پر ظلم کرنے سے بھی بچو کہ یہی مؤمن کی اصل زندگی ہے۔

جو لوگ ترک دنیا کو عبادت تصور کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا برتنے کے لئے بنائی ہے، اس لئے نہیں بنائی کہ اسے طلاق دے کر کنارہ کشی اختیار کرلی جائے۔ جیسا کہ میں کہا کرتا ہوں کہ بیوی کو دل کی رانی بناؤ مگر سر پہ سوار مت کرو، اسی طرح دنیا کو بھی برتو، دنیا بھی کماؤ اور اس کے ذریعے سے حقوق اللہ وحقوق العباد بھی ادا کرو لیکن اسے اپنے اوپر سوار مت ہونے دو، پانی کا سینہ چیرتے ہوئے دریا میں کشتی کو دوڑاؤ لیکن پانی کو کشتی کے اندر مت آنے دو کیونکہ اگر پانی کشتی کے اندر آ گیا تو کشتی بھی ڈوبے گی اور سوار بھی۔

جس طرح ہم شیطان سے پناہ مانگتے ہیں اسی طرح بعض لوگ دولت سے پناہ مانگتے ہیں جبکہ دولت بری چیز نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: غنیٰ میں اس شخص کے لیے نقصان نہیں جو اللہ سے ڈرتا رہے (مشکوٰۃ)۔

ہاں یہ خیال ضرور رہے کہ دولت کو اپنے تابع رکھا جائے، خود دولت کے تابع نہ ہو جائے۔ اگر مال ودولت بری چیز ہوتی تو صحابہ کرامؓ میں سے ایک شخص بھی اسے ہاتھ تک نہ لگاتا لیکن ہم جانتے ہیں کہ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے عشرہ مبشرہ کا شرف حاصل کرنے والے صحابہ کرامؓ کی امارت کا یہ حال تھا کہ ایک ایک وقت میں ان کے پانچ پانچ سو اونٹ مال تجارت سے لدے ہوئے آ جا رہے ہوتے تھے، ہاں یہ ضرور ہے کہ انہوں نے دولت کو خود پر سوار نہیں ہونے دیا، خود وہی سادہ طرز زندگی اختیار کیا جبکہ اپنے مال کے ذریعے دین کی خدمت بھی کی اور اپنی آخرت کا ذخیرہ بھی بنایا۔

غرض مال ودولت کوئی بری چیز نہیں ہے، اس کا استعمال اسے اچھا یا برا بنا دیتا ہے۔ اگر اسے نیکی کے کاموں میں خرچ کیا جائے تو دنیا وآخرت کی بھلائی کے حصول کا

سبب ہے اور اگر اسے غلط استعمال کیا جائے تو پھر دونوں جہاں میں وبال ہے۔ جہاں تک روزی کمانے کا تعلق ہے تو اس کا حکم تو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

جس وقت کہ پکارا جاوے واسطے نماز کے جمعہ کے دن پس جلدی کرو طرف یادِ خدا کے اور چھوڑ دو خرید و فروخت اور جب نماز پڑھ چکو تو پھیل جاؤ زمین میں اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

یعنی رب کائنات روزی کو اپنا فضل، مہربانی و رحمت قرار دے کر اس کے حصول کا حکم دے رہا ہے تو پھر ہم کون ہوتے ہیں یہ پابندیاں لگانے والے کہ کمانے کی کیا ضرورت ہے؟ دولت اچھی چیز نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **کسب الحلال فریضة بعد الفریضة.**

روزی کمانا فرض ہے بعد فرض کے۔

یعنی نماز، روزہ جیسے فرائض کے بعد روزی کمانا بھی فرض ہے کیونکہ اگر کوئی شخص محنت کر کے روزی نہیں کمائے گا تو پھر یا تو وہ ناجائز طریقے سے مال حاصل کرے گا یا پھر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے گا لہٰذا اس سے بہتر یہ ہے کہ آدمی خود حلال روزی کمائے، اسے خود بھی استعمال کرے اور دوسرے حق داروں و ضرورت مندوں پر بھی خرچ کرے۔ حلال مال اللہ تعالیٰ کا فضل ہے پھر اس کے حصول میں کیا برائی ہو سکتی ہے؟

صدقہ اور اخلاص

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جو ہر وقت عبادت میں مشغول رہتا۔ ایک جماعت اس کے پاس آئی اور کہا کہ یہاں ایک قوم ہے جو ایک درخت کو پوجتی ہے۔ یہ سن کر اس کو سخت غصہ آیا اور کلہاڑا کندھے پر رکھ کر اس کو کاٹنے کے لئے چل دیا۔ راستہ میں شیطان ایک پیر مرد کی صورت میں ملا۔ عابد سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟

عابد نے کہا کہ فلاں درخت کاٹنے جا رہا ہوں۔

شیطان نے کہا کہ تمہیں اس درخت سے کیا واسطہ؟ تم اپنی عبادت میں مشغول رہو، تم نے اپنی عبادت کو ایک مہمل کام کے واسطے چھوڑ دیا۔

عابد نے کہا کہ یہ بھی عبادت ہے۔

شیطان نے کہا کہ میں نہیں کاٹنے دوں گا۔

دونوں میں مقابلہ ہوا، عابد اس کے سینے پر چڑھ گیا۔ شیطان نے خود کو عاجز دیکھا تو خوشامد کی اور کہا کہ اچھا ایک بات سن لے۔ عابد نے اس کو چھوڑ دیا۔

شیطان نے کہا کہ اللہ نے تجھ پر اس کام کو فرض تو نہیں کیا ہے، تیرا اس سے کوئی نقصان نہیں، تو اس کی پرستش نہیں کرتا، اللہ کے بہت سے نبی ہیں، اگر وہ چاہتا تو کسی نبی کے ذریعہ سے اسے کٹوا دیتا۔

عابد نے کہا کہ میں اسے ضرور کاٹوں گا۔

پھر مقابلہ ہوا اور وہ عابد پھر اس کے سینے پر چڑھ گیا۔

شیطان نے کہا کہ اچھا سن، ایک فیصلہ والی بات تیرے نفع کی کہوں۔

اس نے کہا: کہہ۔

شیطان نے کہا کہ تو غریب ہے، دنیا پر بوجھ بنا ہوا ہے، تو اس کام سے باز آ جا، میں

تجھے روزانہ تین دینار دیا کروں گا جو روزانہ تیرے سرہانے رکھے ہوئے ملا کریں گے۔ تیری بھی ضرورتیں پوری ہو جایا کریں گی' اپنے اعزہ پر بھی احسان کر سکے گا' فقیروں کی مدد کر سکے گا اور بہت سے ثواب کے کام کر سکے گا جبکہ اس کام میں ایک ہی ثواب ہوگا اور وہ بھی بے کار کہ وہ لوگ پھر دوسرا درخت لگا لیں گے۔

بات عابد کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے قبول کر لی۔ دو دن تو وہ دینار اسے ملے' تیسرے دن ندارد۔ عابد کو بڑا غصہ آیا اور کلہاڑی لے کر پھر چلا۔ راستہ میں پھر شیطان بزرگ کی صورت ملا اور پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟

عابد نے بتایا کہ اسی درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں۔

شیطان نے کہا کہ تو اس کو نہیں کاٹ سکتا۔ دونوں میں جھگڑا ہوا اور اب کی بار شیطان غالب آ گیا اور عابد کے سینہ پر چڑھ گیا۔

عابد کو بڑا تعجب ہوا۔ اس سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ تو اس مرتبہ غالب آ گیا؟

شیطان بولا: پہلی مرتبہ تیرا غصہ خالص اللہ کے واسطے تھا اس لئے اللہ جل شانہ نے مجھے مغلوب کر دیا تھا اور اس مرتبہ تیرے غصہ میں دیناروں کا دخل تھا اس لئے تو مغلوب ہو گیا۔

کسی بھی نیکی کی عنداللہ مقبولیت کے لئے دو بنیادی شرطیں ہیں: ایک یہ کہ وہ نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق ہو' اس کے خلاف نہ ہو اور دوسری یہ کہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو یعنی پورے اخلاص کے ساتھ کی جائے' اس میں کسی اور کو شریک نہ کیا جائے۔ جس عمل میں یہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو وہ عمل مفید ثابت ہونے کے بجائے دونوں جہاں میں خسارے کا باعث ہے اور اگر ان دو شرطوں پر عمل کر لیا جائے تو دیگر گناہوں کے ساتھ ساتھ شرک اور بدعت جیسے کبیرہ گناہوں کی جڑ بھی کٹ سکتی ہے۔

قیامت کے روز سب سے پہلے جن لوگوں کا فیصلہ ہوگا ان میں ایک تو شہید ہوگا، اس کو بلایا جائے گا اور بلانے کے بعد دنیا میں جو اللہ جل شانہ کے انعامات اس پر ہوئے تھے وہ اس کو یاد دلائے جائیں گے۔ اس کے بعد اس سے مطالبہ ہوگا کہ اللہ جل شانہ کی ان نعمتوں میں رہ کر تو نے کیا نیک عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ میں نے تیری رضا جوئی میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔ ارشاد ہوگا کہ یہ جھوٹ ہے، تو نے جہاد اس لئے کیا تھا کہ لوگ تجھے بڑا بہادر کہیں، وہ تجھے کہا جا چکا۔ اس کے بعد اسے جہنم میں پھینک دینے کا حکم دیا جائے گا اور تعمیل حکم میں اس کو منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

دوسرا شخص ایک عالم ہوگا جس کو بلا کر اللہ جل شانہ کے انعامات اور احسانات جتا کر اس سے بھی دریافت کیا جائے گا کہ اللہ جل شانہ کی ان نعمتوں میں رہ کر تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے علم سیکھا اور لوگوں کو سکھایا، تیری رضا جوئی کے لئے قرآن پاک پڑھتا رہا۔ ارشاد ہوگا: یہ سب جھوٹ ہے' یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا تھا کہ لوگ کہیں گے کہ فلاں شخص بڑا عالم، بڑا قاری ہے سو لوگوں نے کہہ دیا۔ اس کے بعد اس کو بھی جہنم میں پھینکنے کا حکم دیا جائے گا اور تعمیل حکم میں منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

تیسرا شخص ایک سخی ہوگا جس پر اللہ جل شانہ نے دنیا میں بڑی وسعت فرما رکھی تھی، ہر قسم کے مال سے اس کو نوازا تھا۔ اس کو بلایا جائے گا اور جو انعامات اللہ جل شانہ نے اس پر دنیا میں فرمائے تھے وہ جتا کر سوال کیا جائے گا کہ ان انعامات میں تیری کیا کارگزاری ہے؟ وہ عرض کرے گا کہ میں نے خیر کا کوئی موقع' جس میں خرچ کرنا آپ کو پسند ہو، ایسا نہیں چھوڑا جس میں آپ کی خوشنودی کے لئے خرچ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہوگا: یہ جھوٹ ہے، تو نے محض اس لئے خرچ کیا کہ لوگ کہیں گے بڑا سخی ہے سو کہا جا چکا۔ اس کے بعد اس کو بھی جہنم میں پھینکنے کا حکم ہوگا اور تعمیل حکم میں منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مشکوۃ بروایۃ مسلم)۔

ریا کاری کرنے والا شخص شعوری یا لاشعوری طور پر اللہ کی عبادت میں مخلوق کو بھی شریک کر لیتا ہے جس سے اس کی عبادت رائیگاں چلی جاتی ہے اور سارے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا ہے۔ شیطان اول تو اللہ کے بندوں کو مختلف حیلے بہانوں کے ذریعے عبادت سے ہی روک دیتا ہے اور اگر وہ اپنی کوشش میں ناکام ہو جائے تو پھر اس عبادت گزار بندے کو یا تو عُجب میں مبتلا کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ شخص خود کو دوسروں سے افضل سمجھنے لگتا ہے یا پھر اسے ریا کاری کے جال میں پھانس لیتا ہے لہٰذا وہ شخص انتہائی جانفشانی سے اللہ کی عبادت کرتا ہے مگر مخلوق سے بھی اپنی تعریف سننا چاہتا ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایسے ہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ لوگ اپنے پہاڑ جیسے اعمال لے کر قیامت کے روز بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوں گے تو ان کے اعمال رائی کے دانے کے برابر حیثیت کے حامل بھی نہیں ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے لوگوں سے اپنی تعریف سننے کے لئے یہ عمل کیا تھا اور تمہاری تعریف کی جا چکی، اس میں اخلاص تو تھا ہی نہیں لہٰذا اب یہاں کیا لینے آئے ہو؟ اگر یہی عظیم الشان کام اخلاص کے ساتھ کیا ہوتا تو آج تم سے بہتر شاید ہی کوئی اور ہوتا۔

اگر ہم اپنا اور ارد گرد کا جائزہ لیں تو ہمیں اس معاشرے میں بڑے بڑے عبادت گزار، سخی، عابد، زاہد اور نیک لوگ نظر آئیں گے جن کے تقویٰ اور دین سے محبت کی لوگ قسمیں کھاتے ہیں لیکن ہر شخص اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھ سکتا ہے کہ کس کے اندر کتنا اخلاص ہے اور کتنا دکھاوا؟ یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے کہ خالق کائنات کو خوش کرنے کے بجائے محض مخلوق کی واہ واہ کے لئے اپنے تمام اعمال کو ضائع کر دیا جائے اور پھر اس سے بھی بڑی حماقت یہ کہ ہم ایسے ریا کارانہ اعمال پر اللہ وحدہ لاشریک سے بہترین اجر کے بھی طالب ہیں۔ عقلاً بھی یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ کوئی شخص محنت تو کرے کسی اور کے لئے اور صلہ مانگے کسی اور سے، اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

بہت زیادہ اہمیت کے ساتھ اپنی امت کو متنبہ فرمایا ہے کہ جو کام بھی کیا جائے وہ خالص اللہ جل شانہ کے لئے کیا جائے اور جتنا بھی اہتمام ہو سکے اس کا کیا جائے کہ اس میں ریا اور نام و نمود کا شائبہ بھی نہ آنے پائے۔ آیئے آج سے یہ عہد کرتے ہیں کہ آئندہ جو بھی نیک عمل کریں گے وہ صرف اور صرف خالق کائنات کے لئے ہوگا تاکہ ہمارے اعمال اور عبادت قیامت کے روز ہمارے لئے ذخیرہ ہو نہ کہ باعث ندامت و وبال۔

صدقہ، خیرات اور رمضان

ماہ رمضان ایک مسلمان کے لئے رب کائنات کا وہ قیمتی تحفہ ہے جس کی نظیر ملنا ناممکن ہے۔اس ماہ میں روزے رکھنے کا ثواب تو ہے ہی بے حد و بے حساب لیکن دوسری نیکیوں کا اجر بھی ستر گنا یا اس سے زیادہ ملتا ہے جو کہ ہمارے مہربان رب کا ہم پر احسان عظیم ہے جس پر ہم جتنا بھی شکر ادا کریں، کم ہے۔رحمت اللعلمین ﷺ تمام سخیوں سے بڑھ کر سخی تھے لیکن ماہ رمضان میں ان کی سخاوت کی کوئی انتہاء نہیں ہوتی تھی۔جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے، کوئی بھی آپ کی سخاوت کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا.....بالخصوص رمضان المبارک کے مہینہ میں اخیر تک بہت ہی فیاض رہتے اور مہینہ میں جب بھی حضرت جبریلؑ تشریف لاتے اور آپ ﷺ کو کلام اللہ سناتے، اس وقت آپ ﷺ بھلائی اور نفع رسانی میں تیز بارش لانے والی ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے (خصائل نبویؐ)۔اسی طرح ایک اور جگہ بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے، خاص کر ماہ رمضان میں تو بہت ہی سخی ہو جاتے تھے (صحیح بخاری)۔

سخاوت تمام انبیاءؑ اور اولیاء کرامؒ کی پہچان رہی ہے کیونکہ خالق کائنات کو سخاوت بہت پسند ہے جیسا کہ خالق کائنات کا فرمان عالی شان ہے:

کون ہے ایسا شخص جو اللہ جل شانہ کو قرض دے اچھی طرح قرض دینا، پھر اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر بہت زیادہ کردے (اور خرچ کرنے سے تنگی کا خوف نہ کرو) کہ اللہ جل شانہ ہی تنگی اور فراخی کرتے ہیں اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (سورۃ البقرہ: ع ۳۲)۔

حضرت ابوالدحداح انصاریؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک! وہ عرض کرنے لگے: اپنا دست مبارک مجھے پکڑا دیجیے۔حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔انہوں

نے معاہدے کے طور پر حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے اپنا باغ اپنے اللہ کو قرض دے دیا۔ان کے باغ میں چھ سو درخت کھجوروں کے تھے اور اسی باغ میں ان کے بیوی، بچے رہتے تھے۔یہاں سے اٹھ کر پھر اپنے باغ میں گئے اور اپنی بیوی ام دحداحؓ سے آواز دے کر کہا کہ چلو اس باغ سے نکل چلو، یہ باغ میں نے اپنے رب کو دے دیا۔

ہر شخص اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا مالک بھی ہے اور خالق بھی اور دونوں جہاں کے خزانے اسی کی ملکیت ہیں اس کے باوجود رب کائنات کی جانب سے صدقہ کو قرض سے تعبیر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ صدقہ کرنے والا یہ یقین رکھے کہ جس طرح قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ صدقہ وخیرات کرنے والے کو اس کا بدلہ ضرور دیتا ہے، اِس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی اور یہ بھی اس کا اپنے بندوں پر احسان عظیم ہے کہ اسی نے مال دیا اور پھر اپنا ہی دیا ہوا مال بطور قرض مانگ رہا ہے اور احسان در احسان یہ کہ اس کا بدلہ بھی سینکڑوں، ہزاروں گنا بڑھا کر دینے کا وعدہ فرما رہا ہے۔جیسا کہ خالق کائنات نے خود ہی وضاحت فرمادی:

جو لوگ اللہ کے راستے میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک دانہ ہو جس میں سات بالیں اگی ہوں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں (تو ایک دانے سے سات سو دانے بن گئے) اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے (اس سے بھی) زیادہ عطا فرمادیتا ہے اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا ہے اور جاننے والا ہے (کہ خرچ کرنے والے کی نیت کا حال بھی اسے خوب معلوم ہے)۔(سورۃ البقرہ۔ع ۳۶)۔

ایک حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! اپنا خزانہ میرے پاس امانت رکھوا دے، نہ اس میں آگ لگنے کا اندیشہ ہے نہ غرق ہو جانے کا اور نہ چوری کا، میں ایسے وقت میں وہ تجھ کو پورا کا پورا واپس کروں گا جس وقت تجھے اس کی انتہائی ضرورت ہوگی (درمنثور)۔

عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (قیامت میں) تم میں سے ہر شخص سے اس کا پروردگار اس طرح بلا واسطہ اور دو بدو کلام فرمائے گا کہ نہ درمیان میں کوئی ترجمان ہوگا، نہ کوئی پردہ حائل ہوگا۔ پس جب نظر کرے گا اپنی داہنی جانب تو سوائے اپنے اعمال کے کچھ نہ دیکھے گا اور ایسے ہی جب نظر کرے گا بائیں جانب تو سوائے اپنے اعمال کے کچھ اس کو نظر نہ آئے گا اور جب سامنے نظر دوڑائے گا تو اپنے روبرو آگ ہی آگ دیکھے گا۔ پس اے لوگو! دوزخ کی آگ سے بچو، اگرچہ خشک کھجور کے ایک ٹکڑے ہی کے ذریعے (اس سے بچنے کی فکر کرو) (صحیح بخاری ومسلم)۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب سے قرآن وحدیث بھرے ہوئے ہیں اور جگہ جگہ اہل ایمان کو انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت دی گئی ہے۔ خاص طور پر رمضان المبارک میں چونکہ ہر نیکی کا ثواب ستر گنا زیادہ ملتا ہے لہٰذا جس قدر ممکن ہو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انفاق فی سبیل اللہ کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا یہ ایمان ہے کہ ہمارے پاس جس قدر بھی مال و دیگر نعمتیں ہیں وہ ہمارے رب کی عطا کردہ ہیں لہٰذا انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر ہمیں بغیر کسی اجر اور بدلے کے اپنا مال اللہ کو واپس کرنے یعنی اس کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا جاتا تو ہم بخوشی اسے قبول کرتے اور اسے اس شکریے کے ساتھ واپس کرتے کہ یا اللہ تو نے ہی دیا تھا، اب اس کی واپسی کا حکم ہوا ہے تو یہ امانت حاضر ہے اور تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں اتنے عرصے تک اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع عطا فرمایا مگر جیسا کہ خالق کائنات نے فرمایا کہ انسان حریص بھی ہے، جلد باز بھی ہے، ناشکرا بھی ہے اور جلد ہی جزع فزع بھی شروع کر دیتا ہے لہٰذا رب کریم نے ہمیں ایسی آزمائش میں ڈالنے کے بجائے اس طرح حکم دیا کہ:

کون شخص ہے ایسا جو اللہ کو قرض حسنہ دے پھر اللہ تعالیٰ اس کے ثواب کو اس کیلئے بڑھاتا چلا جائے اور اس کیلئے بہترین بدلہ ہے (سورۂ حدید۔ رکوع ۲)۔

نیز فرمایا: بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اللہ جل شانہ کو قرض حسنہ دے رہے ہیں، ان کا ثواب بڑھایا جائے گا اور ان کے لیے نفیس اجر ہے (سورۃ الحدید: رکوع ۲)۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر رب العالمین چاہتا تو جس کے مقدر میں جتنا رزق لکھا تھا، وہ اسے براہ راست عطا فرماتا مگر قربان جاؤں اپنے پیارے رب کے جس نے بہت سے غریبوں کے حصے کا رزق امیروں کو دے کر انہیں یہ اعزاز بخشا کہ لو تم تقسیم کرو اور ایک طرف تو مفت میں نیک نامی حاصل کرو جبکہ دوسری جانب ایسی نیکی کماؤ جو قیامت تک پھلتی پھولتی ہی رہے یعنی ''ہم خرما و ہم ثواب''۔ ایسا مالک کہاں ملے گا جو اپنے غلاموں کو مال دے کر ان کے ہاتھ سے تقسیم کروائے اور پھر لوگوں کی زبانوں پر ان کی سخاوت کے چرچے بھی کروائے اور قیامت کے روز بھی کھربوں انسانوں کے سامنے اس کی سخاوت کا چرچا کرے اور صرف یہی نہیں بلکہ اس سخاوت کو بہانہ بنا کر اسے جنت میں بھی داخل کر دے۔ اللہ اکبر!

محسن انسانیت ﷺ کا فرمان ہے: صدقہ کرنے میں جلدی کیا کرو اس لیے کہ بلاء صدقہ کو پھاند نہیں سکتی (مشکوٰۃ شریف)۔

یعنی اگر انسان پر کوئی مصیبت آنے والی ہو یا کوئی بلاء نازل ہونے والی ہو تو وہ صدقہ کی وجہ سے ٹل جاتی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے: صدقہ سے بیماریوں کا علاج کیا کرو کہ صدقہ آبروریزیوں کو بھی ہٹاتا ہے اور بیماریوں کو بھی ہٹاتا ہے اور نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے اور عمر بڑھاتا ہے۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا: صدقہ کرنا ستر بلاؤں کو روکتا ہے جن میں کم سے کم درجہ جزام اور برص کی بیماری ہے۔ اپنے تفکرات اور غموں کی تلافی صدقہ سے کیا کرو، اس سے حق تعالیٰ شانہ تمہاری مضرت کو بھی دفع کرے گا اور دشمن پر تمہاری مدد کرے گا۔ جب کوئی شخص کسی مسلمان کو کپڑا پہنائے تو جب تک پہننے والے کے بدن پر

ایک بھی ٹکڑا اس کپڑے کا رہے گا، پہنانے والا اللہ کی حفاظت میں رہے گا (کنز العمال)۔

کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس پرفتن دور میں بھی دین کی حفاظت کی خاطر دینی مدارس اور مساجد کی ہر ممکن طریقے سے معاونت کرتے رہتے ہیں اور اپنے لیے دہرے اجر اور صدقہ جاریہ کا اہتمام کرتے رہتے ہیں جس کی اصل قدر تو مرنے کے بعد معلوم ہوگی لیکن دنیا میں بھی اس کا صلہ ضرور ملتا ہے اور عموماً دیکھا یہ گیا ہے کہ جو لوگ احیائے دین کی غرض سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ ان کے مالوں میں برکت عطا فرماتا ہے اور انہیں بہت سی پریشانیوں و آزمائشوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اس قدر صدقہ، خیرات کے باوجود ان کا مال کم ہونے کے بجائے بڑھتا ہی رہتا ہے جبکہ یہ تو انتہائی معمولی بدلہ ہے، اصل بدلہ تو رب کائنات کی جانب سے قیامت کے روز ملے گا کہ جس روز کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہوگا اور انسان سب سے زیادہ نیکی کا محتاج ہوگا۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ سخی آدمی اللہ سے قریب ہے جنت سے قریب ہے لوگوں سے قریب ہے، جہنم سے دور ہے اور بخیل آدمی اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے اور آدمیوں سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے، بے شک جاہل سخی اللہ کے نزدیک ایک عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہے (ترمذی شریف)۔

آیئے! اس ماہ مبارک میں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا مال اس رب کی رضا کے لئے مستحقین، محتاجوں، مساکین، بیواؤں، یتیموں وضرورت مندوں کے علاوہ مساجد، مدارس اور احیائے دین کے دیگر کاموں میں صرف کر کے اس وقت اور مال کو قیمتی بنالیں ورنہ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ نہ یہ وقت رہے گا اور نہ یہ مال۔

صدقۃ الفطر کی اہمیت

حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فطر کی زکوٰۃ (صدقہ فطر) ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو فرض قرار دی تھی۔ غلام، آزاد مرد، عورت، چھوٹے اور بڑے تمام مسلمانوں پر، آپ کا یہ حکم تھا کہ نماز (عید) کے لئے جانے سے پہلے یہ صدقہ (محتاجوں کو) دے دیا جائے (تاکہ جو محتاج ہیں وہ بھی دل جمعی اور خوشی کے ساتھ عید منائیں)۔ (صحیح بخاری)۔

حضرت ابن عمرؓ نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صدقہ فطر نماز (عید) کے لئے جانے سے پہلے نکالنے کا حکم دیا تھا (صحیح بخاری)۔

اسلام دین فطرت ہے لہٰذا اس کا ہر حکم فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ رب کائنات نے اس دنیا میں بسنے والے انسانوں کے درمیان معاشی و معاشرتی تقسیم اسی وجہ سے پیدا فرمائی کہ اگر سب کے سب یکساں حال میں ہوتے تو کاروبار زندگی معطل ہو کر رہ جاتا مثلاً اگر سارے انسان دولت مند ہوتے تو نہ کوئی کپڑے سینے والا ملتا، نہ جوتے گانٹھنے والا، نہ کوئی اناج اگانے کی مشقت برداشت کرتا اور نہ ہی صنعت وتجارت کے لئے محنت کش دستیاب ہوتے اور اگر سب ہی بالکل مفلس ہوتے تب بھی چونکہ کسی کے پاس معاوضہ ادا کرنے کے لئے رقم ہی نہ ہوتی لہٰذا کوئی معاوضے پر کام کرنے والا بھی نہ ملتا اور یوں نظام زندگی معطل ہو کر رہ جاتا۔ خالق کائنات نے اسی مشکل سے بچانے کے لئے انسانوں پر معاشی مساوات کا فارمولہ لاگو نہیں کیا اور کسی کو امیر بنایا، کسی کو غریب جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

آپ کہہ دیجیے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے روزی کی وسعت عطا کرتا ہے اور جس کو چاہے روزی کی تنگی دیتا ہے اور جو کچھ تم (اللہ کے راستے میں

)خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا کرے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے (سورہ سبا: ع ۵)۔

لیکن ساتھ ہی ساتھ غریبوں کی دادرسی کے لئے امیروں کو مختلف مواقع پر صدقات کی ادائیگی کا حکم دیا جیسے زکوٰۃ' صدقۃ الفطر' فدیہ وغیرہ۔ ان تمام صدقات سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ وہ نفع ونقصان سے بے نیاز ہے' ان سب کا مقصد یہی ہے کہ ایک تو دولت کا ارتکاز نہ ہونے پائے' اگر کسی کے پاس دولت ہے تو وہ زکوٰۃ، صدقات ودیگر نیک کاموں میں خرچ کر کے اس دولت کے ثمرات سے پورے معاشرے کو مستفیض کرے اور پیسہ گردش کرتا رہے تاکہ معیشت مضبوط ہو جبکہ دوسری جانب مفلس ونادار مسلمانوں کی مدد بھی مقصود ہے تاکہ وہ بھی گھر کے اخراجات پورے کر سکیں۔

صدقۃ الفطر کے وجوب کا مقصد بھی یہی ہے کہ ایک ایسے موقع پر جبکہ تمام مسلمان عید کی خوشیاں منا رہے ہوتے ہیں' ان کے بچے عمدہ عمدہ لباس اور جوتے پہن کر خوشی سے جھوم رہے ہوتے ہیں تو نادار مسلمان اور ان کے بچے بھی اس پر مسرت موقع پر احساس محرومی میں مبتلا نہ ہوں لہٰذا ایسے تمام مسلمان جو صاحب حیثیت ہیں' انہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ صدقۃ الفطر ادا کریں۔ اسی وجہ سے کوشش یہ کرنا چاہئے کہ اگر استطاعت ہے تو کشمش یا کھجور کے حساب سے صدقۃ الفطر ادا کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مال خرچ کرنے کا ثواب ملے اور غریبوں کی بھی زیادہ سے زیادہ مدد ہو سکے۔ گندم کے حساب سے صدقۃ الفطر ادا کرنا تو آخری حد ہے۔ ہمیں چاہئے کہ جس طرح دنیاوی معاملات میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتے ہیں اسی طرح دین کے معاملے میں بھی جان چھڑانے کے بجائے بہترین مال فی سبیل اللہ خرچ کریں۔

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے مال خرچ کرنا بہت بڑی سعادت وخوش نصیبی کی بات ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ کرامؓ دونوں ہاتھوں سے مال لٹاتے تھے حتیٰ کہ اپنی

ضروریات تک بھول جاتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں دو بوریاں درہم کی نذرانہ میں آئیں جن میں ایک لاکھ سے زیادہ درہم تھے۔ طباق منگوا کر اور بھر بھر کے سب تقسیم کر دیں۔ اپنا روزہ تھا، یہ بھی خیال نہ آیا کہ اپنے افطار کے لیے کچھ رکھ لیں یا کوئی چیز منگوا لیں۔ افطار کے وقت جب باندی نے افسوس کیا کہ اگر ایک درہم کا گوشت منگوا لیتیں تو آج ہم بھی گوشت سے کھانا کھا لیتے تو فرمایا: اب افسوس سے کیا ہوتا ہے؟ جب یاد دلا دیتی تو میں منگوا دیتی۔

ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ کے نزدیک کون سا صدقہ ثواب کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے؟ حضورﷺ نے فرمایا: یہ کہ تو صدقہ ایسی حالت میں کرے کہ تندرست ہو، مال کی حرص دل میں ہو، اپنے فقیر ہو جانے کا ڈر ہو، اپنے مالدار ہونے کی تمنا ہو اور صدقہ کرنے کو اس وقت تک مؤخر نہ کر کہ روح حلق تک پہنچ جائے یعنی مرنے کا وقت آ جائے تو تو یوں کہے کہ اتنا مال فلاں کا اور اتنا مال فلاں کا حالانکہ اب تو مال فلاں (وارث) کا ہو گیا (متفق علیہ، مشکوٰۃ)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی کہتا ہے: میرا مال، میرا مال! حالانکہ اس کا مال صرف تین چیزیں ہیں: جو کھا لیا یا پہن لیا یا اللہ کے خزانے میں صدقہ کر کے جمع کر دیا، اس کے علاوہ جو رہ گیا وہ جانے والا ہے یعنی یہ شخص اس کو لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا: جو شخص مرتے وقت صدقہ کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص جب خوب پیٹ بھر لے تو بچے ہوئے کھانے کا ہدیہ کسی کے پاس لے کر جائے (مشکوٰۃ شریف)۔

ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ آدمی جب تندرست ہو اور مال کی محبت بھی دل میں ہو، اپنی ضروریات کا خیال بھی ہو، تب صدقہ کرے تو یہ بہترین صدقہ ہے جس کا اجر بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ و بے حساب ہے لہٰذا شیطان کے اس بہکاوے میں نہ آنا

چاہئے کہ ابھی تو زندگی پڑی ہے، بڑھاپے میں خوب نیک کام کروں گا، موت سے پہلے خوب صدقہ، خیرات کروں گا وغیرہ وغیرہ کیونکہ اول تو عموماً بڑھاپا انسان کی جوانی کا عکس ہوتا ہے لہٰذا جو شخص جوانی میں مال و دولت سے بے حد محبت رکھتا ہے تو بڑھاپے میں یہ محبت مزید بڑھ جاتی ہے، اگر وہ جوانی میں ایک آدھ روپیہ صدقہ کر بھی دیا کرتا تھا تو بڑھاپے میں سو طرح کے وسوسے اسے اس برائے نام صدقہ سے بھی روک دیتے ہیں اور اسی بخل کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے، دوسری بات یہ کہ بڑھاپا کس نے دیکھا ہے؟ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ہر شخص بڑھاپے کو ضرور پہنچے گا؟ یہ بات کس طرح یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ مجھ پر بڑھاپا بھی آئے گا اور اتنی مہلت و توفیق بھی ملے گی کہ میں دل کھول کر اللہ کی راہ میں خرچ کر سکوں اور سب سے بڑی بات یہ کہ اگر کسی خوش نصیب کو ہر طرح کی مہلت مل بھی جائے اور موت کے وقت توفیق بھی مل جائے تب بھی اس حدیث پر غور کرنا چاہئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: آدمی اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کر دے وہ اس سے بہتر ہے کہ مرتے وقت سو درہم صدقہ کرے (مشکوٰۃ شریف)۔

صدقہ دینے میں اپنے غریب رشتہ داروں اور دینی علم سیکھنے، سکھانے والوں کو مقدم رکھنا افضل ہے (درمختار)۔

ہم لوگ صدقہ تو ویسے بھی بہت کم ہی کرتے ہیں لیکن عموماً دیکھا یہ گیا ہے کہ صدقات واجبہ جیسے صدقۃ الفطر کی ادائیگی میں بھی لوگ ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں حتیٰ کہ وہ لوگ جو ماہ رمضان میں روزانہ ہزار، پانچ سو کی افطاری خوشی خوشی لے کر آتے ہیں لیکن جب فطرہ کی باری آتی ہے تو ایک تو اس مولوی کا فتویٰ تلاش کرتے ہیں جو فطرے کی رقم سب سے کم بتاتا ہے تاکہ زیادہ ''بوجھ'' نہ پڑے اور پھر اس کی ادائیگی میں بھی تاخیر کرتے چلے جاتے ہیں جس کی وجہ سے بہت سے مستحق افراد عید کی خوشیوں سے محروم

رہ جاتے ہیں اور پھر آخر عید گاہ جاتے ہوئے چونکہ فطرے کی ادائیگی کا آخری وقت ہوتا ہے لہٰذا اس بار گراں سے جان چھڑانے کے لئے راستے میں بیٹھے ہوئے پیشہ ور بھکاریوں کو فطرہ کی رقم دے کر ایک طرف تو مفلس مسلمانوں کا حق مارتے ہیں جبکہ دوسری جانب گداگری کو فروغ دینے میں معاونت کرتے ہیں لہٰذا اس بات کا خیال رکھئے کہ رب کائنات کے نام پر ہمیشہ بہترین اور اعلیٰ چیز دیجئے، فطرہ کم سے کم کے بجائے حسب استطاعت ادا کیجئے، فطرہ عید سے پہلے ہی ادا کر دیجئے تاکہ نادار و مفلس لوگ بھی عید کی خوشیوں میں شریک ہو سکیں اور موقع پرست تنظیموں، پیشہ ور بھکاریوں اور فریب کاروں کے بجائے اپنے اردگرد بسنے والے مستحق مسلمانوں، نادار طلبہ اور اشاعت دین کا فریضہ سرانجام دینے والوں کی نہ صرف فطرہ کی رقم سے بلکہ مزید بھی حسب گنجائش مدد کیجئے کہ یہی اسلامی تعلیمات ہیں اور یہی دنیا و آخرت میں کام آنے والی چیز ہے۔

کسی نیکی بھی کو معمولی مت سمجھئے

خالق کائنات نے فرمایا:

یومئذ یصدر الناس اشتاتا لّیروا اعمالھم o فمن یّعمل مثقال ذرّۃ خیرًا یّرہ o ومن یعمل مثقال ذرّۃ شرًّا یرہ o (سورۃ الزالزال. آیت ۶ تا ۸).

ترجمہ: اس روز لوگ ٹولیوں میں واپس ہوں گے تاکہ ان کے اعمال انہیں دکھائے جائیں۔ چنانچہ جس نے ذرہ برابر کوئی اچھائی کی ہوگی، وہ اسے دیکھے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی، وہ اسے دیکھے گا۔

قیامت کا دن بہت ہی ہولناک ہوگا، اس قدر ہولناک کہ ہر شخص اپنے والدین، اولاد، بیوی، شوہر، بہن اور بھائی جیسے قریبی رشتہ داروں سے بھی چھپتا پھرے گا، صرف اس لیے کہ کہیں ان میں سے کوئی اس سے ایک نیکی نہ مانگ لے کیونکہ وہاں ایک ایک نیکی اس قدر قیمتی ہوگی کہ انسان چاہے گا کہ اس دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، اس کے بدلے صرف ایک نیکی مل جائے لیکن نیکی کمانے کی جگہ آخرت نہیں، یہ دنیا ہے، وہاں کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کو پوچھے گا بھی نہیں۔ حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دکھا بھی دیے جائیں گے۔ مجرم یہ چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے چھوٹنے کیلئے اپنے بیٹے فدیے میں دے دے۔ اور اپنی بیوی اور اپنا بھائی۔ اور اپنا وہ خاندان جو اسے پناہ دیتا تھا۔ اور زمین کے سارے کے سارے باشندے۔ پھر (ان سب کو فدیہ میں دے کر) اپنے آپ کو بچالے۔ (لیکن) ایسا ہرگز نہیں ہو سکے گا! وہ تو ایک بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ جو کھال اتار لے گی۔ ہر اس شخص کو بلائے گی جس نے پیٹھ پھیر کر منہ موڑا ہوگا۔ اور مال اکٹھا کیا ہوگا

پھر اسے سینت سینت کر رکھا ہوگا (سورۃ المعارج۔ ۱۰ تا ۱۸)۔

ایک اور جگہ فرمایا:

آخر جب کان پھاڑنے والی آواز آ ہی جائے گی۔ یہ اس دن ہوگا جب انسان اپنے بھائی سے بھی بھاگے گا۔ اور اپنے ماں باپ سے بھی۔ اور اپنے بیوی بچوں سے بھی۔ (کیونکہ) ان میں سے ہر ایک کو اس دن اپنی ایسی فکر پڑی ہوگی کہ اسے دوسروں کا ہوش نہیں ہوگا۔ اس روز کتنے چہرے تو چمکتے دمکتے ہوں گے۔ ہنستے، خوشی مناتے ہوئے۔ اور کتنے چہرے اس دن ایسے ہوں گے کہ ان پر خاک پڑی ہوگی۔ سیاہی نے انہیں ڈھانپ رکھا ہوگا (سورہ عبس۔ ۳۳ تا ۴۱)۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ رونے لگیں تو نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ ''عائشہ! کیا بات ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: یارسول اللہ! مجھے قیامت یاد آ گئی۔ یارسول اللہ! کیا وہاں ہم اپنے والدین کو یاد رکھیں گے؟ کیا ہم وہاں اپنے محبوب لوگوں کو یاد رکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں یاد رکھے جائیں گے مگر وہاں تین مقامات ایسے ہوں گے جہاں کوئی یاد نہیں رہے گا۔ ایک: جب اعمال تولے جائیں گے، دو: جب اعمال نامے دیے جائیں گے، تین: جب پلِ صراط پر ہوں گے۔

وہاں تو ہر ایک کو اپنے نفس کی فکر ہوگی، ہر ایک اپنے پسینے میں شرابور اور اپنی ہی مصیبت میں مبتلا ہوگا، اس دن انسان کو ایک ایک نیکی کی قدر معلوم ہوگی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیات میں اس بات کی نشاندہی فرمادی کہ انسان نے دنیا میں ذرہ برابر نیکی کی ہو یا بدی، قیامت کے روز سب کچھ سامنے آ جائے گا اور وہاں انکار کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہوگی کیونکہ دیگر گواہوں کے علاوہ انسان کے اپنے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے۔

قرآن پاک میں رب العالمین کا ارشاد ہے:

آج کے دن ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ کیا کمائی کیا کرتے تھے (سورۂ یٰسین۔۶۵)۔

لہٰذا بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، اس مسئلے کا صرف ایک ہی حل ہے کہ انسان موت سے پہلے کے وقت کو غنیمت جانتے ہوئے اپنا ہر لمحہ نیک کاموں میں گزارنے کی کوشش کرے۔ یہ بات بھی یاد رکھنا چاہئے کہ آدمی جب بھی کوئی نیکی کرتا ہے تو اسے دوسری نیکی کرنے کی بھی توفیق ملتی ہے اور یوں نیکیوں کی ایک لڑی بن جاتی ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی برائی اور گناہ کا کام سرزد ہو جاتا ہے تو وہ دوسرے گناہ کا موجب بن جاتا ہے اور یہی نہیں بلکہ اس سے بڑی بات یہ کہ پھر نیکی کی قوت سلب ہونے لگتی ہے، اچھا کام کرنے کی طاقت چھین لی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ہر نیکی صدقہ ہے اور یہ بھی نیکی ہے کہ آپ اپنے بھائی سے خوش روئی کے ساتھ پیش آئیں۔ ملاحظہ فرمائیں کہ نیکی کرنا کتنا آسان ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

لا تحقرن من المعروف شیئًا ولو أن تلق اخاک بوجه طلق.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی نیکی کو ہرگز حقیر مت جانو اگرچہ وہ اپنے بھائی سے ملاقات کے وقت خوش روئی سے پیش آنا کیوں نہ ہو (کنز العمال)۔

مطلب یہ کہ ہماری نظروں میں کوئی نیکی چھوٹی ہو سکتی ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نیکی بھی چھوٹی نہیں ہے بلکہ نیکی چھوٹی ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لئے کسی بھی نیکی کو حقیر مت جانو۔ اس حدیث میں نیکی کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور نیکی پر ابھارنا مقصود ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک فاحشہ عورت کی اتنی بات پر بخشش کر دی گئی

کہ وہ چلی جا رہی تھی، اس نے ایک کنویں پر دیکھا کہ ایک کتا کھڑا ہوا ہے جس کی زبان پیاس کی شدت کی وجہ سے باہر نکلی پڑی ہے اور وہ مرنے کو ہے۔ اس عورت نے اپنے پاؤں کا (چمڑہ کا) موزہ نکالا اور اس کو اپنی اوڑھنی میں باندھ کر کنویں میں سے پانی نکالا اور اس کتے کو پلایا (متفق علیہ، مشکوٰۃ)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ تیرا اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آنا بھی صدقہ ہے، کسی کو نیکی کا حکم کرنا یا برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے، کسی بھولے ہوئے کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے، راستہ سے کسی کانٹے وغیرہ تکلیف دہ چیز کا ہٹانا بھی صدقہ ہے، اپنے ڈول سے کسی کے برتن میں پانی ڈال دینا بھی صدقہ ہے (کنز العمال)۔

خالق کائنات کی نظر میں اہمیت نہ تو اس چیز کی ہے کہ کوئی شخص کس قدر زیادہ نیکیاں کرتا ہے اور نہ اس بات کی اہمیت ہے کہ کتنی بڑی بڑی نیکیاں کرتا ہے بلکہ اصل اہمیت اخلاص کی ہے، اگر اخلاص ہے تو بظاہر معمولی نظر آنے والی نیکی بھی بہت بڑے اجر کا موجب بن سکتی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

جہنم کی آگ سے صدقہ کے ساتھ اپنا بچاؤ کرو، چاہے کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو (فضائل صدقات، ص ۸۷)۔

اس کے برعکس اگر کوئی شخص کسی پہاڑ کے برابر بھی صدقہ کرے یا اس سے بھی بڑھ کر عبادت کرے لیکن دل میں ریاکاری ہو تو ایسی عبادت نیکی کے بجائے الٹا باعث وبال ہے جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

جس نے ریا کی نیت سے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے ریا کے ارادہ سے روزہ رکھا، اس نے شرک کیا، جس نے ریا کی نیت سے صدقہ دیا اس نے شرک کیا (رواہ احمد)۔

اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک مال ہی قبول فرماتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ صرف

اس عمل کو قبول فرماتا ہے جو خالص اسی کے لیے کیا جائے، اس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک منادی اعلان کرے گا کہ جس شخص نے کسی عمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا ہے وہ اس شریک سے اپنا ثواب مانگ لے، اللہ جل شانہ شرکت سے بے نیاز ہے (مشکوٰۃ)۔

اللہ تعالیٰ کی نظر میں اخلاص کی اس قدر اہمیت ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ نیکی کے صرف ارادے پر بھی اجر عطا فرماتا ہے، وہ اس چیز کی طرف نہیں دیکھتا کہ نیکی کتنی بڑی ہے؟ یا کتنا زیادہ مال خرچ کیا؟

بنی اسرائیل کے زمانے میں دوران قحط ایک شخص کا غلے کے ڈھیر پر گزر ہوا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ کاش! یہ ڈھیر اس کا ہوتا تو وہ اسے غریبوں میں تقسیم کر دیتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی فرمایا کہ وہ غلے کا ڈھیر خرچ کرنے کا ثواب اس شخص کے اعمال نامے میں لکھ دیا گیا۔

آپ دیکھیں کہ خرچ کرنا تو دور کی بات اس شخص نے تو صرف ارادہ ہی کیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے وہ سارا ڈھیر خرچ کرنے کا ثواب اس کے اعمال نامے میں لکھ دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری طاعت وعبادت اور نافرمانی سے بے نیاز ہے، وہ تو صرف ہمارے قلوب کو دیکھتا ہے کہ اس میں کتنا اخلاص ہے، اپنے رب سے کتنی محبت ہے لہٰذا ہمارے تمام اعمال کے اجر کا فیصلہ بھی ہماری نیت دیکھ کر کیا جاتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی پہلی حدیث ہے کہ ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔

نیکیوں کا ایک اور فائدہ بھی ہے اور وہ یہ کہ چونکہ انسان سے گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں لہٰذا اگر انسان ہر گناہ کے بعد کوئی نیکی کر لے اور وہ اپنے رب کے حضور توبہ کرنے والا بھی ہو تو یہ نیکیاں گناہوں کو دھو ڈالتی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

انّ الحسنات یذھبن السّیئات.

ترجمہ: نیکیاں گناہوں کو بہا لے جاتی ہیں۔

قال رسول اللّٰہ ﷺ: اتقو اللّٰہ حیث ما کنت واتبع السیئۃ الحسنۃ.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور گناہ کے بعد فوراً نیکی کرو، نیکی گناہ کو مٹا دے گی۔

ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ ابھی موقع ہے، ہم جس قدر زیادہ نیک اعمال کر سکتے ہیں، کر لیں نہ جانے کب اچانک موت آ جائے۔ اس فانی دنیا میں آنکھ بند ہوتے ہی حقیقی دنیا کی ایسی آنکھ کھل جاتی ہے کہ پھر ہر نیکی کی قدر و قیمت معلوم ہو جاتی ہے لیکن اس وقت کا علم کسی کام کا نہیں کیونکہ عمل کا مقام تو یہ دنیا ہے، آدمی جو نیکی یہاں سے لے گیا وہی کام آنے والی ہے۔ ابھی ہمارا یہ حال ہے کہ ہمیں روپے کی تو قدر ہے کیونکہ اس کا پھل نقد ملتا ہے لیکن نیکی کی قدر نہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس چار دن کی زندگی کو غنیمت جان کر نیکیاں جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں لہٰذا خدارا! کسی بھی نیکی کو معمولی مت سمجھئے بلکہ بڑی بڑی نیکیوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی نیکیوں پر بھی توجہ دیجیے کیونکہ گندم کا ایک ایک دانہ جمع ہو کر ہی بڑا ڈھیر بنتا ہے اور ایک ایک اینٹ مل کر ہی بڑی سے بڑی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم جس نیکی کو حقیر سمجھ کر چھوڑ دیں، قیامت کے روز اسی نیکی کی کمی سے ہمارے گناہوں کا پلڑا جھک جائے اور نعوذ باللہ ہم جنت میں جاتے جاتے جہنم کا ایندھن بن جائیں۔

سخاوت، مومن کی پہچان

حضرت واقدیؒ کہتے ہیں کہ میرے دو دوست تھے، ایک ہاشمی اور ایک غیر ہاشمی۔ ہم تینوں میں ایسے گہرے تعلقات تھے کہ ایک جان تین قالب تھے۔ میرے اوپر سخت تنگی تھی، عید کا دن آ گیا۔ بیوی نے کہا کہ ہم تو ہر حال میں صبر کر لیں گے مگر عید قریب آ گئی، بچوں کے رونے اور ضد کرنے نے میرے دل کے ٹکڑے کر دئے۔ یہ محلے کے بچوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ عمدہ عمدہ لباس اور سامان عید کے لئے خرید رہے ہیں اور یہ پھٹے پرانے کپڑوں میں پھر رہے ہیں۔ اگر کہیں سے کچھ لا سکتے ہو تو لا دو، ان بچوں کے حال پر مجھے بہت ترس آتا ہے، میں ان کے بھی کپڑے بنا دوں۔

میں نے بیوی کی یہ بات سن کر اپنے ہاشمی دوست کو ایک پرچہ لکھا اور اس میں صورتحال ظاہر کی۔ اس کے جواب میں اس نے سربمہر ایک تھیلی میرے پاس بھیجی اور کہا کہ اس میں ایک ہزار درہم ہیں، تم ان کو خرچ کر ڈالو۔ میرا دل اس تھیلی سے ابھی ٹھنڈا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ میرے دوسرے دوست کا پرچہ میرے پاس اسی قسم کے مضمون کا جو میں نے اپنے ہاشمی دوست کو لکھا تھا، آ گیا۔ میں نے وہ تھیلی سربمہر اس کے پاس بھیج دی اور بیوی سے شرم کے مارے گھر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ مسجد میں چلا گیا اور دو دن رات مسجد ہی میں رہا، شرم کی وجہ سے گھر نہ جا سکا۔

تیسرے دن میں گھر گیا اور بیوی سے سارا قصہ سنا دیا۔ اس کو ذرا بھی ناگوار نہ ہوا، نہ اس نے کوئی حرف شکایت کا مجھ سے کہا بلکہ میرے اس فعل کو پسند کیا اور کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا۔ میں بات ہی کر رہا تھا کہ میرا وہ ہاشمی دوست وہی سربمہر تھیلی ہاتھ میں لئے ہوئے آیا اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ سچ سچ بتاؤ، اس تھیلی کا کیا قصہ ہوا؟ میں نے اس کو واقعہ سنا دیا۔

اس کے بعد اس ہاشمی نے کہا کہ جب تیرا پرچہ پہنچا تو میرے پاس اس تھیلی کے سوا کوئی چیز بالکل نہ تھی، میں نے یہ تھیلی تیرے پاس بھیج دی، اس کے بعد میں نے تیسرے دوست کو پرچہ لکھا تو اس نے جواب میں یہی تھیلی میرے پاس بھیج دی، اس پر مجھے بہت تعجب ہوا کہ یہ تو میں تیرے پاس بھیج چکا تھا، یہ اس تیسرے دوست کے پاس کیسے پہنچ گئی؟ اس لئے میں تحقیق کے لئے آیا ہوں۔

واقدیؒ کہتے ہیں کہ ہم نے اس تھیلی میں سو درہم تو اس عورت (واقدیؒ کی بیوی) کو دئے اور نو سو درہم ہم تینوں نے آپس میں بانٹ لئے۔ اس واقعہ کی کسی طرح مامون الرشید کو خبر ہو گئی۔ اس نے مجھے بلایا اور مجھ سے سارا قصہ سنا، اس کے بعد مامون الرشید نے سات ہزار درہم دئے، دو دو ہزار ہم تینوں کو اور ایک ہزار میری بیوی کو (اتحاف)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے خزانہ کے طور پر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، آپ ان کو بڑے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے، وہ اس دن ہوگا جس دن ان کو (سونے چاندی کو) اول جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پسلیوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھا تھا۔ اب اس کا مزہ چکھو جس کو جمع کر کے رکھا تھا (توبہ ع ۵)۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ''اور نہ تو (بخل کی وجہ سے) اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے باندھ لینا چاہئے اور نہ بہت زیادہ کھول دینا چاہئے (کہ اسراف کی حد تک پہنچ جائے کہ اس صورت میں) ملامت زدہ اور (فقر کی وجہ سے) تھکے ہوئے بیٹھے ہو۔ بے شک تیرا رب جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے تنگی کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں (کی مصالح اور ان کے احوال) سے باخبر ہے (کہ کس کے لئے کتنا

مناسب ہے اوران کے احوال کو) دیکھنے والا ہے (بنی اسرائیل۔ع ۳)۔

ان آیات مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ مال و دولت جمع کرنے کا شوق بالخصوص ایسا شوق جو لوگوں کے حقوق کی ادائیگی اور اللہ کی راہ میں خرچ کر دینے سے بھی روک دے، وہ بہت دردناک عذاب کا باعث ہے اور قیامت کے دن انتہائی حسرت و ندامت کا سبب ہوگا حتیٰ کہ آدمی کہے گا کہ یا اللہ! مجھے دنیا میں واپس بھیج دے تو اپنا سارا مال و زر تیری راہ میں قربان کر دوں گا مگر اس وقت دیر ہو چکی ہوگی کیونکہ وہاں تو کافر بھی اللہ تعالیٰ کی ہر بات پر ایمان لے آئیں گے لیکن وہاں کی ندامت، توبہ اور ایمان لانا کسی کام کا نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان اپنا سب کا سب مال تقسیم کر دے اور خود محتاج ہو جائے بلکہ اللہ تعالیٰ کو ہر معاملے میں اعتدال کی راہ زیادہ پسند ہے۔ بہر حال حسب استطاعت تو لوگوں پر خرچ کرنا چاہئے۔

حضرت یحییٰؑ نے ایک مرتبہ شیطان سے دریافت کیا کہ تجھے سب سے زیادہ کون شخص محبوب ہے اور سب سے زیادہ نفرت کس سے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے سب سے زیادہ محبت بخیل مومن سے ہے اور سب سے زیادہ نفرت سخی فاسق سے ہے۔ انہوں نے فرمایا: یہ کیا بات ہوئی؟ شیطان نے عرض کیا کہ بخیل تو اپنے بخل کی وجہ سے مجھے بے فکر رکھتا ہے یعنی اس کا بخل ہی جہنم میں لے جانے کے لئے کافی ہے لیکن فاسق سخی کے حوالے سے مجھ پر ہر وقت فکر سوار رہتا ہے کہ کہیں حق تعالیٰ شانہ اس کی سخاوت کی وجہ سے اس سے درگزر نہ فرما دیں (احیاء)۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص سخاوت کرتا ہے وہ اللہ جل شانہ کے ساتھ حسن ظن کی وجہ سے کرتا ہے اور جو بخل کرتا ہے وہ حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ بدظنی سے کرتا ہے (کنز)۔

حسنِ ظن کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ جس مالک نے یہ عطا فرمایا وہ پھر بھی

عطا فرما سکتا ہے اور ایسے شخص کے اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے میں کیا تردد ہے اور بدظنی کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ ختم ہو گئے تو پھر کہاں سے آئیں گے؟ ایسے شخص کا اللہ تعالیٰ سے دور ہونا ظاہر ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خزانے کو بھی محدود سمجھتا ہے حالانکہ آمدنی کے اسباب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ان اسباب سے پیداوار کا ہونا، اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ نہ چاہے تو دکاندار ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے، کاشت کار بوئے اور پیداوار نہ ہو۔ جب سب کچھ اسی کی عطا ہے تو پھر یہ سوچنا ہی فضول ہے کہ پھر کہاں سے آئے گا؟ ہم لوگ زبان سے تو اقرار کرتے ہیں مگر دل سے نہیں مانتے کہ وہی ہر چیز عطا کرنے والا اور ہر ضرورت پوری کرنے والا ہے ورنہ ہم بخل کے بجائے سخاوت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سخی آدمی اللہ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے، جہنم سے دور ہے اور بخیل آدمی اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، آدمیوں سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے۔ بے شک جاہل سخی اللہ کے نزدیک عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہے نیز فرمایا کہ دو خصلتیں ایسی ہیں جو مومن میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ ایک تو بخل، دوسرا بدخلقی (ترمذی)۔

یہ عام مشاہدہ بھی ہے کہ سخی آدمی سے لوگ فطری طور پر محبت کرتے ہیں اور اس کے بارے میں اچھے خیالات رکھتے ہیں۔ جس محفل میں بھی اس کا ذکر ہوتا ہے اچھے الفاظ میں ہی ہوتا ہے سوائے ان حاسدوں کی مجلس کے جو حسد کی آگ میں خود ہی جلتے رہتے ہیں جبکہ بخیل آدمی خواہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو، اس کی خوبیوں کا ذکر بھی ان الفاظ میں ہوتا ہے کہ ''باقی تو بہت اچھا ہے مگر حد درجہ کا کنجوس و بخیل ہے، وہ تو اپنے باپ کو بھی بغیر مطلب کے ایک روپیہ نہ دے وغیرہ وغیرہ۔

ایک حدیث میں ہے کہ سخاوت جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس

کی ٹہنیاں دنیا میں جھک رہی ہیں جو شخص اس کی کسی ٹہنی کو پکڑ لیتا ہے وہ ٹہنی اس کو جنت تک پہنچا دیتی ہے اور بخل جہنم کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی ٹہنیاں دنیا میں جھک رہی ہیں، جو شخص اس کی کسی ٹہنی کو پکڑ لیتا ہے وہ ٹہنی اس کو جہنم تک پہنچا دیتی ہے (کنز)۔

سخاوت مومن کی پہچان ہے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ویسا ایمان رکھتا ہو جیسا کہ ایمان رکھنے کا حق ہے تو وہ بخیل ہو ہی نہیں سکتا، اسے اپنے پاس موجود مال سے زیادہ اس مال پر یقین ہوتا ہے جو اس کے رب کے پاس موجود ہے لہٰذا وہ اس یقین کے ساتھ لوگوں پر خرچ کرتا چلا جاتا ہے کہ میری تمام ضروریات پوری کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے پھر مجھے کس بات کی فکر؟ جبکہ اس کے برعکس انسان کے اندر بخل جیسی قبیح عادت تب ہی پیدا ہوتی ہے جب وہ موت کو فراموش کر کے لمبی لمبی امیدیں وابستہ کر لیتا ہے لہٰذا 100 سال کا بوڑھا بھی اپنے ''مستقبل'' کے لئے مال جمع کر کر کے رکھتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنی ساری زندگی ایک غیر یقینی مستقبل کو سنوارنے کی فکر میں گزار دی جبکہ ایک اٹل اور یقینی مستقبل سے ہم غافل ہیں، گویا کہ موت صرف دوسروں کے لئے ہے، ہمیں تو مرنا ہی نہیں ہے۔

متعدد احادیث میں موت کو کثرت سے یاد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ موت دنیاوی لذتوں کو توڑنے والی اور فانی چیزوں کی محبت کم کرنے والی ہے۔ اسی طرح اپنا مال آگے بھیجنے کی طرف رغبت دلائی گئی ہے کیونکہ مال سے محبت انسان کی فطرت میں شامل ہے لہٰذا جب وہ اپنا مال آگے روانہ کر دے گا تو خود بھی وہاں پہنچنے کی تیاری کرے گا اور جو شخص اپنا مال جمع کر کر کے رکھے گا تو خود بھی اس سے جدا نہیں ہونا چاہے گا اس لئے موت کا تصور بھی اس کے لئے سوہان روح ہوگا اور اس طرح موت کی تیاری کئے بغیر مال مال کرتا ہوا اس رب کے حضور حاضر ہو جائے گا جہاں اعمال کام آئیں گے مال

نہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے پاس جس قدر بھی مال و دولت ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہی دیا ہوا ہے ورنہ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ہم سے زیادہ محنت کرتے ہیں، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ہم سے کہیں زیادہ ذہین ہیں لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ہماری محنت، ہماری ذہانت اور ہماری اوقات سے بڑھ کر ہمیں دولت سے نوازا تو کیا ہمارا یہ فرض نہیں بنتا کہ رب العالمین ہمیں جہاں خرچ کرنے کا حکم دے رہا ہے ہم وہاں بڑھ چڑھ کر خرچ کریں اور ساتھ ہی ساتھ اپنے رب کا شکر بھی بجا لائیں کہ اس نے ایک طرف تو ہمیں مال عطا فرمایا جبکہ دوسری جانب اسے حق داروں تک پہنچانے کی توفیق بھی عطا فرمائی لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان بہت ہی حریص اور ناشکرا ہے، پہلے تو وہ اپنے رب سے دولت مانگتا ہے اور جب اسے دولت مل جاتی ہے تو وہ سخاوت اور شکر کے بجائے اس دولت پر اکڑنے لگتا ہے۔ یقیناً ایسے ہی لوگ خسارے میں ہیں اور ایسے ہی لوگ آخرت کیلئے سانپ اور بچھو پال رہے ہیں۔

زکوٰۃ اور صدقے کے آداب

(۱) خدا کی راہ میں جو بھی دیں محض خدا کی خوشنودی کیلئے دیجئے۔ کسی اور غرض سے اپنے پاکیزہ عمل کو ہرگز ضائع نہ کیجئے اور یہ آرزو ہرگز نہ رکھئے کہ جن کو آپ نے دیا ہے وہ آپ کا احسان مانیں، آپ کا شکریہ ادا کریں اور آپ کی بڑائی کا اعتراف کریں۔ مومن اپنے عمل کا بدلہ صرف اپنے خدا سے چاہتا ہے۔ قرآن پاک میں مومنوں کے جذبات کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے:

انّما نطعمکم لوجه اللّٰه لا نرید منکم جزآءً وّلا شکورًا.

(الدھر)

ترجمہ: ہم تم کو خالص لوجہ اللہ کھلا رہے ہیں نہ تم سے صلے کے طلب گار ہیں اور نہ شکر گزاری کے۔

(۲) نمود و نمائش اور دکھاوے سے پرہیز کیجئے، ریاکاری اچھے سے اچھے عمل کو خاک میں ملا دیتی ہے۔

(۳) زکوٰۃ کھلم کھلا دیجئے تاکہ دوسروں میں بھی فرض ادا کرنے کا جذبہ ابھرے البتہ دوسرے صدقات چھپا کر دیجئے تاکہ زیادہ سے زیادہ اخلاص پیدا ہو۔ خدا کی نظر میں اس عمل کی قیمت ہے جو اخلاص کے ساتھ کیا گیا ہو۔ قیامت کے ہیبت خیز میدان میں جبکہ کہیں سایہ نہ ہوگا خدا اپنے اس بندے کو عرش کے سائے میں رکھے گا جس نے انتہائی پوشیدہ طریقوں سے خدا کی راہ میں خرچ کیا ہوگا۔ یہاں تک کہ بائیں ہاتھ کو یہ خبر نہ ہوگی کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ (بخاری)

(۴) خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتائیے اور نہ ان لوگوں کو دکھ دیجئے جن کو آپ دے رہے ہیں۔ دینے کے بعد محتاجوں اور ناداروں کے ساتھ حقارت

کا سلوک کرنا، ان کی خودداری کو ٹھیس پہنچانا، ان پر احسان جتا جتا کر ان کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو دکھانا اور یہ سوچنا کہ وہ آپ کا احسان مانیں، آپ کے سامنے جھکے رہیں، آپ کی برتری کو تسلیم کریں، انتہائی گھناؤنے جذبات ہیں۔ مومن کا دل ان جذبات سے پاک ہونا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓا ایّھا الّذین اٰمنوا لاتبطلوا صدقاتکم بالمنّ والاذٰی کالّذی ینفق ماله رئآء النّاس.

ترجمہ: مومنو اپنے صدقہ وخیرات کو احسان جتا جتا کر اور غریبوں کا دل دکھا کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو جو محض لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے۔

(۵) خدا کی راہ میں دینے کے بعد فخر وغرور نہ کیجئے۔ لوگوں پر اپنی بڑائی نہ جتائیے بلکہ یہ سوچ سوچ کر لرزتے رہئے کہ معلوم نہیں خدا کے ہاں میرا یہ صدقہ قبول بھی ہوا یا نہیں۔ خدا کا ارشاد ہے:

والّذین یؤتون مآ اتوا و قلوبھم وجلة انّھم الٰی ربّھم راجعون. (المومنون: ۶۰)

ترجمہ: اور وہ لوگ دیتے ہیں خدا کی راہ میں جو بھی دیتے ہیں اور ان کے قلوب اس خیال سے لرزتے ہیں کہ ہمیں خدا کی طرف پلٹنا ہے۔

(۶) فقیروں اور محتاجوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کیجئے، نہ ان کو ڈانٹئے اور نہ ان پر رُعب جمائیے، نہ ان پر اپنی برتری کا اظہار کیجئے۔ سائل کو دینے کیلئے اگر کچھ نہ ہو تب بھی نہایت نرمی اور خوش اخلاقی سے معذرت کیجئے تاکہ وہ کچھ نہ پانے کے باوجود خاموشی سے دعا دیتا ہوا رخصت ہو جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

وامّا تعرضنّ عنهم ابتغآء رحمة مّن رّبّک ترجوها فقل لّهم قولًا مّیسورًا.

ترجمہ: اگر تم ان سے اعراض کرنے پر مجبور ہو جاؤ، اپنے رب کے فضل کی توقع رکھتے ہوئے تو ان سے نرمی کی بات کہہ دیا کرو۔ (بنی اسرائیل)

اور خدا کا ارشاد یہ بھی ہے:

وامّا السّائل فلا تنهر.

ترجمہ: اور مانگنے والے کو جھڑکی نہ دو۔

(۷) خدا کی راہ میں کشادہ دلی اور شوق کے ساتھ خرچ کیجئے۔ تنگ دلی، کڑھن اور زبردستی کا تاوان سمجھ کر نہ خرچ کیجئے۔ فلاح و کامرانی کے مستحق وہی لوگ ہوتے ہیں جو بخل، تنگ دلی اور کنجوسی جیسے جذبات سے اپنے دل کو پاک رکھتے ہیں۔

(۸) خدا کی راہ میں حلال مال خرچ کیجئے۔ خدا صرف وہی مال قبول کرتا ہے جو پاک اور حلال ہو، جو مومن خدا کی راہ میں دینے کی تڑپ رکھتا ہے وہ بھلا کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ اس کی کمائی میں حرام مال شامل ہو۔ خدا کا ارشاد ہے:

یآ ایّها الّذین اٰمنوا انفقوا من طیبٰت ما کسبتم

ترجمہ: اے ایمان والو! خدا کی راہ میں اپنی پاک کمائی خرچ کرو۔

(۹) خدا کی راہ میں بہترین مال خرچ کیجئے۔ قرآن میں ہے:

لن تنالوا البرّ حتّٰی تنفقوا من طیبٰت ما کسبتم.

ترجمہ: تم ہرگز نیکی حاصل نہ کر سکو گے جب تک وہ مال خدا کی راہ میں نہ دو جو تمہیں عزیز ہے۔

صدقے میں دیا ہوا مال آخرت کی دائمی زندگی کے لئے جمع ہو رہا ہے۔ بھلا مومن یہ کیسے سوچ سکتا ہے کہ وہ اپنی ہمیشہ کی زندگی کیلئے خراب اور ناکارہ مال جمع کرائے۔

(۱۰) زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد دیر نہ لگائیے، فوراً ادا کرنے کی کوشش کیجئے اور اچھی طرح حساب لگا کر دیجئے کہ خدانخواستہ آپ کے ذمہ کچھ رہ نہ جائے۔

زکوٰۃ اور نماز، لازم وملزوم

والّذین یکنزون الذّھب والفضّۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشّرھم بعذاب الیمo یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکویٰ بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھٰذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزونo

ابتداء اسلام سے جس وقت نماز فرض کی گئی اس کے ساتھ زکوٰۃ بھی فرض کی گئی۔قرآن مجید میں بھی بہت کم نماز کو زکوٰۃ سے جدا کر کے ذکر کیا گیا ہے ورنہ عموماً یہ دونوں ایک ساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہے لیکن زکوٰۃ نہیں دیتا تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی 'اسی طرح اگر کوئی زکوٰۃ دیتا ہے لیکن نماز نہیں پڑھتا تو اس کی زکوٰۃ قبول نہیں ہوتی 'اس لیے کہ یہ دونوں باہم مربوط ہیں' یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔زکوٰۃ کی فرضیت اگرچہ مکہ مکرمہ میں ہو چکی تھی لیکن وہاں پر چونکہ اس کی ادائیگی کا انتظام نہیں ہوسکتا تھا اس لیے آپ ﷺ نے ہجرت کے دو سال بعد سن ۲ ہجری کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم مدینہ منورہ میں دیا۔اگر کسی مسلمان پر زکوٰۃ فرض ہو تو اسے خوش ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی مالی عبادت کرنے کی اسے توفیق دی گئی، اگر مال میں حکم خداوندی کو پورا کیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے۔

وابتغوا من فضل اللّٰہ..... الخ

اور اگر آپ زکوٰۃ ادا کرو گے تو یہ باقی مال کو پاک کر دے گا اور اگر بہت زیادہ مال

ہو لیکن اس کی زکوٰۃ نہ دی گئی ہو تو یہ باقی مال نجس، پلید، مکروہ اور خراب ہو جاتا ہے۔زکوٰۃ کی ادائیگی میں نعمت مال کا شکر ادا کرنا ہے، یہ مال آپ کی تعلیم، آپ کے ہنر، آپ کی محنت کی وجہ سے نہیں ملتا ہے، محنت کرنے والے، ہنر والے بہت ہیں لیکن ملتا اس کو ہے جس کا نصیب ہو۔ایک مارکیٹ میں کئی دکاندار دکانیں کھولتے ہیں، ان میں سے ایک مالدار ہو جاتا ہے جبکہ دوسرا دکان بیچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔گاہک بھیجنے والا، دل میں ڈالنے والا، آپ کے مال کو پسند کروانے والا صرف ایک ذات ہے۔رحمٰن بابا پشتو کے شاعر گزرے ہیں، کہتے ہیں:

عقل نہ بخت غواڑہ رحمانہ
ڈیر عقلمند می بختاورو غلامان لیدلی دی نہ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے عقل نہیں خوش قسمتی مانگو، میں نے کتنے عقلمندوں کو خوش نصیبوں کا غلام دیکھا ہے۔

ایک بادشاہ کا شاہین اُڑ گیا، اس نے حکم دیا کہ شہر کے دروازے بند کر دئے جائیں۔اب شاہین کوئی گدھا یا اونٹ یا گھوڑا تو نہیں کہ دروازہ بند کرنے سے وہ محصور ہو جائے گا، وہ تو پرندہ ہے ہوا میں اڑ جائے گا۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ بے عقل تھا لیکن اس کی خوش قسمتی نے اسے بادشاہ بنا دیا تھا۔تو اس مال پر کبھی غرور وفخر نہ کرنا اسے ہمیشہ اللہ کا فضل سمجھنا اور اس کے متعلق جو بھی حکم خداوندی آئے اسے خوش دلی سے پورا کرو۔اپنے غریب رشتہ داروں کو زکوٰۃ دو، اس میں دو چند اجر ہے۔ایک زکوٰۃ کی ادائیگی کا، دوسرا صلہ رحمی کا۔

مستحق کی تلاش میں یہ ضروری نہیں کہ آپ پوری تفتیش کرو، سی آئی ڈی افسر بن جاؤ کہ انکوائری کرتے پھرو کہ جیسے ظاہراً مستحق ہے حقیقتاً بھی مستحق ہے یا نہیں بلکہ اگر کوئی شخص ظاہراً غریب نظر آتا ہو تو اسے زکوٰۃ دے دو، اب اگر درحقیقت وہ مستحق نہ بھی ہوگا

تب بھی آپ کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ زکوٰۃ بلکہ ہر حکم خداوندی میں سینکڑوں حکمتیں ہوتی ہیں جن میں سے بعض تک انسان کی عقل کی رسائی ہوجاتی ہے اور بعض اس کی عقل کی پہنچ سے دور ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کے حکم میں ہزاروں حکمتیں ہیں، من جملہ ان حکمتوں میں سے یہ حکمت ہے کہ اسلامی معاشرے میں باہمی تعاون وتناصر، غربت پروری اور غمخواری کی فضا پیدا کرنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی حکومت کی بنیاد رکھتے ہوئے جو احکامات صادر فرمائے تھے ان کی حکمت بھی یہ تھی کہ مدینہ منورہ میں ایک بھائی چارگی، محبت، مودت اور الفت پر مشتمل معاشرہ کی تشکیل کی جاسکے۔ چنانچہ عبداللہ بن سلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیان میں تین حکم دیئے، جن میں سے دو کا تعلق معاشرتی زندگی کے ساتھ جبکہ ایک کا تعلق شخصی زندگی کے ساتھ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**أفشوا السلام**'' سلام دعا کرو، سلام محبت، مؤدت اور شفقت کا ایک عظیم الشان نسخہ ہے۔ مؤمن کی مؤمن کے ساتھ محبت شرعاً مطلوب ومقصود ہے۔ ترمذی کی ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لن تدخلوا الجنة حتّٰی تؤمنوا.

ترجمہ: تم جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوسکتے جب تک تمہارا ایمان نہ ہو۔

ولن تؤمنوا حتّٰی تحابوا

ترجمہ: اور تمہارا ایمان کامل نہیں ہوسکتا جب تک ایک دوسرے کے ساتھ محبت نہ کرو۔

اگر مسلمان بھائی کے بارے میں تمہارے دل میں کینہ، حسد اور فساد ہو تو تم مؤمن نہیں ہو۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہو، ایک دوسرے کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرو، دوسرے کے غم اور تکلیف کو اپنا غم سمجھو، تب جاکے تمہارا ایمان پوری طرح بن

جائے گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جس کے کرنے کے بعد تم باہم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے؟ صحابہؓ نے عرض کیا: ضرور بتائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلام کو عام کرو، سلام محبت کا نسخہ ہے، اگر رشتہ دار، محلّہ دار، دوست عزیز وغیرہ ناراض ہوں، آپ سے نفرت کرتے ہوں تو ان کے دل میں اپنی محبت اجاگر کرنے کے لئے سلام کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ میں محبتیں عام کرنے کے لئے جو وظیفہ، جو تعویذ، جو عمل دیا ہے وہ سلام ہے۔ گھر میں چپ چاپ داخل نہ ہوں بلکہ سلام کرکے داخل ہوں، باپ بیٹے کو، بیٹا باپ کو، شوہر بیوی کو، بیوی شوہر کو سلام کرے۔ بعض علاقوں میں بیوی کا شوہر کو یا شوہر کا بیوی کو سلام کرنا عیب سمجھا جاتا ہے یہ جاہلیت کی باتیں ہے۔ صحابہ کرام میں سلام اس قدر عام تھا کہ اگر چلتے ہوئے دو صحابہ کے درمیان درخت آجاتا اور پھر وہ ایک دوسرے کو دیکھ لیتے تو سلام کرتے۔

لفظ ''السلام علیکم'' اپنے اندر ایک جامعیت رکھتا ہے جو دیگر زبانوں اور قوموں کے سلام میں نہیں ہے۔ بعض لوگ منہ سے سلام کرنے کے بجائے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے سلام کیا ہے۔ حالانکہ لفظ ''السلام علیکم'' کہے بغیر صرف ہاتھ کے اشارے کو سلام سمجھنا بدعت ہے۔ اگر آپ دور کسی شخص کو سلام کرنا چاہتے ہیں تو ہاتھ کے اشارے کے ساتھ منہ سے السلام علیکم بھی کہیں، ہاتھ کا اشارہ تو محض ایک علامت ہوتی ہے، اس بات کی کہ میں نے آپ کو سلام کیا ہے تاکہ وہ دور والا شخص جواب دے۔

اسلامی معاشرہ، اسلامی سوسائٹی میں محبت واخوت پیدا کرنے کے لئے، اپنے گھروں میں، دفتروں میں، دکانوں میں، بازاروں میں سلام دعا کرو، سلام کرنے

سے محبت پیدا ہوتی ہے، مصافحہ کرنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور معانقہ کرنے سے خدا راضی ہوتا ہے، سب سے پہلے معانقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا۔ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ یا اللہ! جنت میں میرا ساتھی کون ہے، مجھے بتادے؟ جواب آیا: فلاں چرواہا جو فلاں جنگل میں بکریاں چرا رہا ہے وہ تیرا ساتھی ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام اس کی ملاقات کے لئے چل پڑے، مغرب کے وقت ابراہیم علیہ السلام کی اس سے ملاقات ہوگئی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس چرواہے سے کہا کہ میں بہت دور سے آیا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے حق میں دعا کریں۔ اس چرواہے نے کہا کہ میری دعا آپ کے متعلق کیا قبول ہوگی؟ میری دعا تو آج تک خود میرے متعلق قبول نہیں ہوئی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا آپ کیا مانگتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں ہمیشہ سے یہ دُعا کرتا آرہا ہوں کہ یا اللہ! ابراہیم علیہ السلام سے میری ملاقات کروادے اور جنت میں مجھے اُن کا رفیق بنادے۔ اب میں اس عمر کو پہنچ چکا ہوں لیکن ابراہیم علیہ السلام سے میری ملاقات نہیں ہو پائی ہے، وہ دوسری بات تو بہت دور ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس چرواہے سے کہا کہ مبارک ہو آپ کی دعا قبول ہوگئی ہے، میں ابراہیم ہوں اور آپ کو یہ خوشخبری دینے کے لئے آیا ہوں کہ جنت میں میرا ساتھی آپ کو چنا گیا ہے۔ پھر وہ دونوں کھڑے ہوئے اور باہم معانقہ کیا۔

تو ایک حکم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیا کہ سلام عام کرو، دوسرا حکم دیا: ”أطعموا الطعام“ لوگوں کو کھانا کھلاؤ، مہمان نوازی کرو، فقراء مساکین کو کھلاؤ، پیسہ دینا آسان کام ہے لیکن گھر میں غریب مسکین کو لانا، اس کے ہاتھ دھلوانا، دسترخوان بچھانا، یہ بڑا سخت کام ہے۔ اگر آپ کے دسترخوان پر مہمان کھانا کھاتا ہے تو اسے اپنی خوش قسمتی سمجھو، مہمان کے آنے کی وجہ سے رزق میں برکت ہوتی ہے۔ بعض لوگ مہمان

کے بغیر کھانا نہیں کھاتے ہیں جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام تھے اور بعض لوگ مہمان کے سامنے کھانا نہیں کھاتے ہیں، مہمان کا آنا خوش بختی کی علامت ہے۔

مجھے باہر ملک میں ایک سیّد زادے نے بتایا کہ ان کی اہلیہ نے مہمانوں کی خاطر جمعہ کے دن کھانا تیار کیا، وہ ہر جمعہ مہمانوں کے حصے کا کھانا بناتی، اتفاق سے اس جمعہ کوئی مہمان نہ آیا، بچوں نے کہا آپ نے خواہ مخواہ اتنا کھانا بنالیا ہے مہمان کوئی نہیں ہے، اب یہ سب ضائع ہوجائے گا۔ میری اہلیہ نے مصلےٰ بچھایا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے دُعا گو ہوگئی کہ یا اللہ کھانا بنانا میرا کام تھا سو میں نے بنالیا، مہمان بھیجنا تیرا کام ہے تو مہمان بھیج۔ ابھی اس نے دعا کے ہاتھ منہ پر نہیں پھیرے تھے کہ اس کا بیٹا بھاگتا ہوا آیا کہ ایئرپورٹ پر ابھی جہاز اترا ہے اور اس میں مہمان آنے والے ہیں۔

مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانا یہ سنتِ ابراہیمی ہے۔ ایک مرتبہ ابراہیم علیہ السلام مہمان کا انتظار کرتے رہے جب کوئی نہ آیا تو خود مہمان کی تلاش میں نکل پڑے، راستے میں ایک بوڑھا لاٹھی ٹیکتے ہوئے انہیں نظر آیا۔ انہوں نے اسے مہمانی کی دعوت دی، گھر والوں کو دسترخوان بچھانے کا کہا، جب کھانا سامنے رکھ دیا گیا تو ابراہیم علیہ السلام نے اس بوڑھے سے کہا، اللہ کا نام لے کر کھاؤ، اس بوڑھے نے کہا کہ میں خدا کو نہیں مانتا، ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اس کھانے کا سارا انتظام حقیقت میں کرنے والا اللہ ہے، اسی نے آسمان وزمین اور یہ مخلوق پیدا کی ہے جب تو اس کو نہیں مانتا تو تو اس بات کا اہل نہیں کہ تو میرے دسترخوان پر کھانا کھائے۔ چل یہاں سے اٹھ جا، اس بوڑھے نے لاٹھی پکڑی اور روانہ ہوگیا، ابھی وہ دروازہ تک پہنچا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر پہنچ گئے کہ اے ابراہیم! یہ بوڑھا میرا باغی تھا لیکن میں اسّی سال سے اسے رزق دے رہا تھا، آج ایک وقت تیرا مہمان بنا تو تو نے اسے دھتکار کیا۔

اے کریمے کہ از خزانہ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خورداری

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام فوراً اس بوڑھے کے پیچھے بھاگے اور انہیں دوبارہ لے کر آئے اور پہلے سے زیادہ خاطر مدارات کی۔ تیسرا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں یہ دیا۔

وصلّوا باللیل والناس نیام.

جب سب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو اس وقت نماز پڑھو۔

ہم سب فقیر اور محتاج ہیں، غنی ہے تو بس خدا کی ایک ذات ہے۔ بادشاہ ہے کہ گدا، سب اس کے محتاج اور فقیر ہیں۔

واللّٰہ غنی وانتم الفقرآء.

اس لئے ہم میں سے ہر ایک پر ایسے وقت کو تلاش کرنا فرض ہے جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ دعائیں قبول کرتا ہے، تورات کے وقت ایک ساعت ایسی ہوتی ہے جس میں دعائیں قبول ہوتی ہیں، ایسے وقت اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھو تا کہ تمہاری قبر روشن ہو جائے، تہجد کے لئے جب اٹھو تو گھر والوں کو پریشان نہ کرنا، دروازے مت کھٹکھٹانا، اپنی بزرگی مت جتانا بلکہ خاموشی سے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ لوگوں کو تکلیف دینے سے تہجد اور عبادت کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ جیسے زکوٰۃ، صدقہ خیرات کا ثواب احسان جتلانے سے ضائع ہو جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰاایّھا الّذین اٰمنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمنّ (الآیہ)

اے ایمان والو! اپنے صدقات خیرات احسان جتلا کر ضائع مت کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لایدخل الجنّۃ منان.**

ترجمہ: احسان جتلانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

ایسے احسان کرو کہ کسی کو کان وکان خبر نہ ہو۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے اپنے ایک نوجوان متعلق کا قرض ادا کیا اور اسے جیل سے رہا کروایا لیکن جب تک ابن مبارک زندہ تھے اس نوجوان کو پتہ نہ چلا کہ میرا قرض کس نے ادا کیا ہے اور مجھے جیل سے کس نے رہا کروایا ہے۔

سود: اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ

اسلام چونکہ ایک دین فطرت ہے لہٰذا دیگر معاملات کی طرح سود کے معاملے میں بھی انسانی تقاضوں، ان کی ضروریات، سہولت اور فطرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سود کے لین دین پر پابندی عائد کرتے ہوئے اسے حرام قرار دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ اسے ظلم قرار دیتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کے مترادف قرار دیا۔ اسلام نے بتدریج سود پر پابندی عائد کی۔ پہلے یہ آیت نازل ہوئی۔

مسلمانو! دگنا چوگنا سود نہ کھایا کرو اور خدا سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ (آل عمران)۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے ہم جنس اشیاء کا باہم گھٹا بڑھا کے مبادلہ منع فرمایا۔ ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے موقع پر مسلمانوں نے یہودی سوداگروں سے لین دین شروع کیا تو اس وقت آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ سونے کی اشرفی کے بھاؤ گھٹا بڑھا کر بیچنا بھی سود ہے (صحیح مسلم)۔ سود کی حرمت کے متعلق تفصیلی احکام ۸ھ میں نازل ہوئے۔ آل عمران کے بعد سورۂ بقرہ میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی:

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح شیطان کسی کو چھو کر مخبوط بنا دیتا ہے، اس لئے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ بیع اور سود کا معاملہ ایک ہی ہے اور اللہ نے بیع کو تو حلال کیا اور سود کو حرام کر دیا پس جس کے پاس اللہ کی طرف سے نصیحت کی بات پہنچی اور وہ باز آ گیا تو اس کو وہی لینا چاہیے جو پہلے دیا ہے۔

پھر تھوڑے ہی وقفے کے بعد غالباً ۸ھ میں یہ آیت نازل ہوئی:

مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور سود جو باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم سچے مومن ہو، اگر یہ نہ کرو تو اللہ اور رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، اگر باز آ جاؤ تو تم کو اپنے راس المال کا حق ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو، نہ تم پر کوئی ظلم کرے (سورۃ البقرہ)۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے مسجد میں تمام مسلمانوں کو جمع کر کے یہ حکم سنایا (صحیح بخاری)۔

۹ھ میں اہل نجران سے جو معاہدات ہوئے ان میں ایک شق یہ بھی تھی کہ سود نہ لیں گے (ابوداؤد)۔

۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر اس آیت کے نزول سے پہلے جس قدر سودی معاملات تھے، آپ ﷺ نے سب کو کالعدم قرار دے دیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سود کی حرمت کا حکم اسلام کے سلسلہ احکام کی سب سے آخری کڑی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو..... (ان میں سے ایک ہے) سود کھانا..... (مشکوٰۃ شریف)۔

رزقِ حلال کی تلاش فریضہ عبادت کے بعد اہم ترین فرض ہے۔ ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے اہل وعیال کیلئے حلال رزق تلاش کرو۔ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی بھی کمائی نہیں ہوتی۔

ایک جگہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: اے پیغمبرو! حلال اور پاک چیزیں کھاؤ اور اچھے اعمال کرو، بلاشبہ میں تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہوں۔

اس آیت کی تشریح میں علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کو حلال اور پاک کھانے کی ہدایت کی پھر اچھے اعمال کی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال خوری نیک اعمال کیلئے مددگار ہے یعنی نیک کام کرنے سے پہلے حلال کمائی کا ذکر اس لیے ہوا ہے کہ حلال کمائی نیک اعمال کرنے میں مددگار ہے۔ اگر کوئی حرام کماتا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ اس کے باقی اعمال میں بھی کوئی نہ کوئی خلل ہوگا۔ مثال کے طور پر نماز غلط پڑھتا ہوگا، اخلاق اچھے نہیں ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔

اب آتے ہیں حرام خوری کی طرف تو آج کل حرام چیزیں، حرام کمائی بہت عام ہے جس کی سب سے بڑی وجہ رشوت اور سود کا عام ہو جانا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کسی قوم میں سود کے لین دین کا رواج عام ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان پر ضروریات کی گرانی مسلط کر دیتا ہے اور جب کسی قوم میں رشوت عام ہو جائے تو دشمنوں کا رعب وغلبہ ان پر ہو جاتا ہے۔ دیکھا جائے تو یہ دونوں عذاب ہم پر نازل ہو چکے ہیں۔ کوئی انسان کتنا بھی کما لے ضروریات اور خواہشات ختم نہیں ہوتیں اور آج غیر مسلموں کا ہم پر غلبہ بھی ہو رہا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک غلام تھا جو غلہ کے طور پر اپنی آمدنی میں سے آپؓ کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ کچھ کھانا لایا، حضرتؓ نے اس میں سے ایک لقمہ نوش فرما لیا۔ غلام نے عرض کیا کہ آپ روزانہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کس ذریعے سے کمایا، آج دریافت نہیں فرمایا؟ آپؓ نے فرمایا کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے دریافت کرنے کی نوبت نہیں آئی، اب بتاؤ؟ عرض کیا کہ میں زمانۂ جاہلیت میں ایک قوم پر گزرا اور ان پر منتر پڑھا۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کر رکھا تھا۔ آج میرا گزر ادھر کو ہوا تو ان کے یہاں شادی ہو رہی تھی، انہوں نے مجھے یہ دیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تو مجھے ہلاک ہی کر دیتا۔ اس کے بعد حلق میں ہاتھ ڈال کر قے کرنے کی کوشش کی مگر ایک لقمہ وہ بھی بھوک کی شدت کی حالت میں کھایا گیا، نہ نکلا۔ کسی نے عرض کیا کہ پانی سے قے ہو سکتی ہے۔ ایک بہت بڑا پیالہ منگوایا گیا اور اور پانی پی پی کر قے فرماتے رہے، یہاں تک کہ وہ لقمہ نکال دیا۔ کسی نے عرض کیا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ یہ ساری مشقت اس ایک لقمہ کی وجہ سے برداشت فرمائی۔ آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری جان کے ساتھ بھی یہ لقمہ نکلتا تو میں اس کو نکالتا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جو بدن مالِ حرام سے پرورش پائے، آگ اس کے لئے بہتر ہے۔ مجھے یہ ڈر ہوا

کہ میرے بدن کا کوئی حصہ اس لقمہ سے پرورش نہ پائے۔

اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دے دیا لیکن بیع یعنی تجارت وسوداگری کو حلال قرار دیا ہے لیکن جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ سود اور بیع کو ایک جیسا قرار دیتے ہیں یعنی دونوں میں نفع ہی حاصل ہوتا ہے تو ایک چیز حرام اور ایک چیز حلال کیسے ہو سکتی ہے؟ بات یہ ہے کہ اگر عقلاً دیکھا جائے تو سود کسی کا حق مار کر ہی حاصل ہوتا ہے، چاہے وہ بینک سے لیں، کسی اضافی رقم کے ذریعے لیں یا کسی اور طرح، کہیں نہ کہیں کسی کا حق مار کر ہی حاصل ہوگا۔ بعض چیزیں کسی فرد یا قوم کیلئے بظاہر مفید نظر آتی ہیں لیکن وہ اس پورے ملک کیلئے مفید نہیں ہوتی ہیں جبکہ تجارت میں انسان خود محنت کرتا ہے، خود کماتا ہے پھر نفع اٹھاتا ہے اس میں کسی کا نقصان نہیں ہوتا۔

سود کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر حاصل کیا جاتا ہے اور سود کھانے والے میں بہت سی معاشی، مذہبی اور اخلاقی برائیاں پائی جاتی ہیں۔ سود میں اگر کوئی دوسرا عیب نہ بھی پایا جاتا تو یہی اس کا سب سے قابلِ نفرت عمل ہے کہ اس سے چند افراد کا فائدہ اور پوری انسانیت کا نقصان ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ سورہ بقرہ کی تفسیر میں سود کے بارے میں معاشی خرابیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس طرح دورِ جدید میں گناہوں کے نئے نئے طریقے پیدا ہو گئے ہیں۔ اسی طرح سود کی ایک نئی اور انتہائی خطرناک قسم بینک قائم ہو گیا ہے جس سے دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کیلئے بتلایا جاتا ہے کہ سود کے اس نئے طریقے سے پوری ملت کا فائدہ ہے جبکہ درحقیقت اس نئے طریقہ سود سے پوری قوم کا نقصان ہی نقصان ہے۔ اگر کسی شخص کا سرمایہ دس ہزار ہے اور وہ بینک سے ایک لاکھ قرض لیتا ہے اور اس سے بیوپار کرتا ہے اور اس کا بیوپار ڈوب جاتا ہے تو غور کریں کہ اسے صرف دس فیصد کا نقصان پہنچا، باقی نوے فیصد پوری ملت کا ہوا جن سے پیسے لے

کراس نے تجارت میں لگائے تھے، اگر بینک نے اس شخص کے نقصان کو خود ہی برداشت کرلیا تو ظاہر ہے کہ بینک تو قوم کی جیب ہے۔ اس کا نقصان تو قوم کا ہوگا، اس سے ظاہر ہے کہ وہ شخص جب تک نفع حاصل کرے اس کا تنہا مالک ہوا، اس میں قوم کیلئے کچھ نہ تھا اور جب نقصان آیا تو نوے فیصد پوری ملت پر پڑ گیا۔

سود کا ایک نقصان تو یہ بھی ہے کہ جب سود خور گھاٹے میں آجاتا ہے تو پھر وہ اس قابل نہیں رہتا کہ نقصان کو برداشت کرسکے، نقصان کے وقت اس پر دوہری مصیبت ہوتی ہے ایک تو اپنے نفع اور سرمائے کی اور اوپر سے بینک کے قرض میں دب جاتا ہے، جس کو ادا کرنے کا اس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہوتا ہے۔ ۱۹۵۴ء میں پاکستان میں روئی کے کاروبار میں قرآنی آیت کے مطابق محاق کی آفت آئی اور حکومت نے کروڑوں روپے کا نقصان اٹھا کر تاجروں کو سنبھالا مگر کسی نے اس بات پر غور کیا کہ وہ سب سود کی نحوست تھی کیونکہ کاٹن کے تاجروں نے اس کاروبار میں بیشتر سرمایہ بینکوں کا لگایا ہوا تھا، اپنا سرمایہ برائے نام تھا۔ روئی کے دام اتنے گر گئے کہ ایک سو پچیس سے دس پر آگئے۔ مجبوراً مارکیٹ بند کردی گئی اور حکومت سے فریاد کی گئی تو حکومت نے مال دس کے بجائے نوے کے دام میں خرید لیا اور کروڑوں روپے کا نقصان برداشت کرکے ان تاجروں کو دیوالیہ ہونے سے بچایا۔ اب بتایئے حکومت کا روپیہ کس کا تھا؟ وہی بے چاری غریب ملت کا، غرض بینکوں کے سرمائے و کاروبار کا کھلا نتیجہ یہ ہے کہ پوری ملت کے سرمائے سے چند لوگ فائدہ اٹھائیں اور جہاں بات نقصان کی آئے وہاں پوری ملت نقصان برداشت کرے اور یہ اسلام میں حرام ہے۔

یہاں ایک سوال ہے کہ بینکوں کے سرمائے سے قلیل مقدار میں ہی سہی لیکن قوم کا بھی فائدہ تو ہوتا ہے اور اگر بینکوں کا نظام نہ ہو تو لوگ پرانے زمانے کی طرح زمین میں مال دفنائیں گے جو ہر سال زکوٰۃ دیتے دیتے یوں ہی ختم ہوجائے گا تو جواب یہ ہے کہ

جس طرح اللہ نے سود کو حرام قرار دے کر اس کا راستہ بند کیا ہے اسی طرح زکوٰۃ کا نظام قائم کرکے سرمائے کو ایک جگہ رکھنے سے بچالیا ہے کیونکہ سمجھدار انسان مجبور ہوجائے گا کہ سرمایہ کو کسی کام میں لگائے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائے اور اسی نفع میں سے زکوٰۃ ادا کرے۔

یہاں تک سود کے معاشی نقصان کا ذکر تھا لیکن سود کا روحانی نقصان کیا ہوتا ہے؟ اول تو سود کھانے والا مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنے کے بجائے اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ کسی طرح اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھائے، دوسرا اسلام ہمیں ایثار، قربانی اور دوسروں کو راحت وسکون پہنچانے کا درس دیتا ہے لیکن سود خور دوسروں کو فائدہ کیا پہنچائے گا وہ تو اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ کوئی اس کے برابر نہ آجائے۔ سود خور دنیا کی زندگی اور مال کی محبت میں اس قدر مست ہوجاتا ہے کہ وہ آخرت کو بھول جاتا ہے اور اپنی آخرت اپنے ہاتھوں سے تباہ کرلیتا ہے۔

حضور ﷺ نے سود دینے والے پر بھی لعنت فرمائی اور سود لینے والے پر بھی لعنت فرمائی۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے بیت المقدس تک لے گئے پھر ہم آگے چلے تو ایک خون کی نہر دیکھی جس کے اندر ایک آدمی کھڑا ہوا تھا اور دوسرا آدمی اس کے کنارے پر کھڑا ہوا تھا، جب یہ نہر والا آدمی اس سے باہر آنا چاہتا تو کنارہ والا آدمی اس کے منہ پر پتھر مارتا ہے جس کی چوٹ سے بھاگ کر پھر وہ وہیں چلا جاتا ہے پھر وہ نکلنے کا ارادہ کرتا ہے تو باہر والا پھر وہی معاملہ کرتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ان دونوں ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے تو انہوں نے بتلایا کہ خون کی نہر میں قید کیا ہوا شخص سود کھانے والا ہے اور اپنے عمل کی سزا پا رہا ہے (صحیح بخاری، کتاب البیوع)۔

حضورﷺ نے فرمایا: ان گناہوں سے بچو جو معاف نہیں کیے جاتے، ایک مالِ غنیمت کی چوری اور دوسرا سود کھانا ہے۔

حضورﷺ نے مزید فرمایا: جس شخص کو تم نے قرض دیا ہو اس کا ہدیہ قبول نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ ہدیہ قرض کے عوض میں دیا ہو جو سود ہے۔ اس لیے اس کا ہدیہ قبول کرنے میں بھی احتیاط کرنی چاہیے۔

سودخوری میں اگر دیکھا جائے تو نقصان زیادہ اور نفع کم ہے کیونکہ نفع وقتی طور پر نظر آتا ہے لیکن اس کا دنیوی اور اخروی وبال اس دنیا کے ذرا سے نفع کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے اور دنیا کا ہر مذہب اس چیز سے احتراز کرتا ہے جس میں نفع کی امید کم اور نقصان کا خطرہ زیادہ ہو۔

آج کل سود کھانے والے، لینے والے اور دینے والے سب اس کو حرام سمجھ کر نہیں بلکہ حلال سمجھ کر کرتے ہیں، اپنی طرف سے دلیلیں دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ نوکری نہیں مل رہی یا اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا اور مجبوری میں یہ حرام نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ جبکہ قرآن میں ارشاد ہے: اللہ پسند نہیں کرتا کفر کرنے والے کو اور کسی گناہ کا کام کرنے والے کو اور جو لوگ حرام کو جان کر بھی اس میں مبتلا ہیں وہ فاسق ہیں۔

سودخوروں کی عادت تو یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی مقروض شخص مفلس ہے، وقتِ مقررہ تک قرض ادا نہیں کر سکتا تو سود کی مقدار بڑھا دیتے ہیں جبکہ قرآن میں حکم ہے کہ اگر کوئی مدیون واقعی مفلس ہے اور ادائے قرض پر قادر نہیں تو اس کو تنگ کرنا جائز نہیں ہے، اس کو مہلت دینا چاہیے اور اگر وہ غریب ہے تو اس کا قرض معاف کر دو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

جو شخص ایک مرتبہ قرض لے لیتا ہے، خواہ وہ کاروبار کے لیے ہو، مکان کی تعمیر کے لیے ہو یا دیگر گھریلو ضروریات پوری کرنے کے لیے وہ زندگی بھر کے لیے سود در سود کے

چکر میں پھنس جاتا ہے اور سودخور اس کی مجبوری و بے بسی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے جس کے باعث معاشرے میں سنگدلی، بے رحمی، خودغرضی، سفاکی، حرام خوری اور ظلم پروان چڑھتا ہے اور انسانیت، ہمدردی، اخوت، رواداری، مساوات اور ایثار جیسی صفات قصۂ پارینہ بن جاتی ہیں۔

یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں کہ سود کے بغیر دنیا کا مالیاتی نظام نہیں چل سکتا ہے جبکہ سود کے بغیر دنیا کا مالیاتی نظام جتنا اچھا چل سکتا ہے اس کا یہ سودخور تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اگر دنیا کے نظام کو یہاں تک کہ بینکنگ سسٹم کو بھی دینی نظام کے مطابق چلایا جائے تو سرمایہ کاروں، تاجروں سے لے کر عوام تک کو جس قدر فائدہ پہنچ سکتا ہے اس کی کوئی حد نہیں۔ اسلامی تعلیم و قانون کے مطابق قرض دینے سے نہ کسی کا نقصان ہوگا اور نہ کوئی مفلس ہوگا اور نہ کسی پر زیادتی ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اللہ پسند نہیں کرتا زیادتی کرنے والوں کو (سورۃ البقرۃ)۔

جتنا نقصان ایک شخص، ایک ملت، ایک قوم کو سود سے ہو رہا ہے، کسبِ حرام سے ہو رہا ہے اتنا نقصان کسی دوسری چیز سے نہیں ہو رہا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ امریکا سمیت مغربی ممالک اس حقیقت کو سمجھ چکے ہیں کہ ان کی عبرتناک تباہی کی بنیادی وجہ سودی نظام ہی ہے لہٰذا اکثر ممالک نے انٹرسٹ ریٹ کم کرتے کرتے زیرو کر دیا ہے اور وہ اسلامی طرزِ معیشت کی جانب مائل ہو رہے ہیں۔

2008ء میں جب دنیا بھر میں معاشی بحران آیا تو شیلنگ میگزین نے لکھا تھا کہ اگر بینکنگ کے کرتا دھرتا تھوڑی سی دیر کیلئے بھی سمجھ کا مظاہرہ کر کے اسلامی طرزِ معیشت کو اپنانے کی کوشش کرتے تو آج دنیا اتنے بڑے مالیاتی بحران کا شکار نہ ہوتی۔ اسی طرح ایڈیٹر ان چیف لاجرنل ڈی فرانس رولینڈ لاسکن نے ''وال اسٹریٹ اسلامی قوانین لاگو کرنے کیلئے تیار ہے یا نہیں؟'' کے زیرِ عنوان مضمون میں تمام معاشی بحرانوں کا آسان

ترین حل اسلامی قوانین کے نفاذ ہی کو قرار دیا ہے جبکہ فرانسیسی پارلیمنٹ نے اپنے اجلاس میں اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ اب تک انہوں نے اسلامی معاشی اصول اپنے نظام معیشت میں کیوں متعارف نہیں کروائے؟

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صرف قرآن وحدیث ہی نہیں بلکہ اب تو سودی نظامِ معیشت کو پروان چڑھانے اور اسے دنیائے معیشت کی ریڑھ کی ہڈی قرار دینے والے سرمایہ دارانہ نظام کے ٹھیکیدار بھی سود کو ہی فساد کی جڑ قرار دیتے ہوئے اس سے جان چھڑانے کا راستہ تلاش کر رہے ہیں مگر چونکہ یہ راستہ اسلام سے ہو کر گزرتا ہے لہٰذا وہ اس راستہ پر چلنے کی ہمت نہیں کر پا رہے اور یہی وجہ ہے کہ عالمی ماہرینِ معیشت کے مطابق 2020ء میں ایک اور شدید ترین عالمی اقتصادی بحران آنے والا ہے جو سابقہ تمام اقتصادی بحرانوں کا ریکارڈ توڑ ڈالے گا اور دنیا اقتصادی طور پر تباہ ہو جائے گی اور کیوں نہ ہو جب میرے رب نے فرما دیا کہ سود سے مال بڑھتا نہیں گھٹتا ہے لہٰذا عالمی معیشت بظاہر کسی غبارے کی طرح جس قدر بھی پھلتی پھولتی نظر آئے مگر وہ درحقیقت سکڑ رہی ہوتی ہے جس کا نتیجہ ہر دس، بیس سال بعد آنے والے عالمی اقتصادی بحران کی صورت میں سامنے آتا ہے، جس کے نتیجے میں ہر مرتبہ زیرو سے شروع کرنا پڑتا ہے اور سودی معیشت پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام بالکل اسی طرح مٹی میں مل جاتا ہے جس طرح کسی چکنے پتھر پر برسوں میں جمع ہونے والی مٹی کی تہہ کو ایک بارش ایسے بہا کر لے جاتی ہے جیسے وہ مٹی کبھی تھی ہی نہیں۔

اخلاصِ نیت اور صدقہ

الحمدللّٰہ رب العلمین، والصلوٰۃ والسلام علی سیّد المرسلین، سیدنا ونبینا محمد وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ واتباعہٖ اجمعین، اما بعد: فقد قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

انما الأعمال بالنیات وانما لامرئ مانویٰ..... (الحدیث)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، فرماتے ہیں:

اعمال کی قبولیت کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کیلئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی ہو۔

قبولیتِ اعمال میں نیت کا کردار:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ مبارک کا شمار آپ کے ان ارشادات میں ہوتا ہے جن پر پورے اسلام کا مدار ہے.....علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اسلام کا ایک تہائی حصہ اس حدیث میں آ گیا..... اس حدیث مبارک میں تصحیح نیت اور اخلاص نیت کی طرف ترغیب دی گئی ہے کہ کوئی بھی اچھا عمل..... چاہے پہاڑ سے بڑا ہو یا رائی کے برابر، اس کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے جب تک کہ اس کے کرنے والے کی نیت صحیح نہ ہو۔ چنانچہ کوئی اچھا عمل.....اس وقت تک شرف قبولت سے محروم رہتا ہے جب تک کہ کرنے والے کی نیت خالص نہ ہو.....کوئی عمل بذاتِ خود کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو لیکن اگر نیت خالص نہیں تو اس عمل کی نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں بلکہ بعض مرتبہ وہی عمل انسان کیلئے جزا کے بجائے سزا کا موجب بن جاتا ہے۔

ہمارے سامنے ایسی کئی مثالیں ہیں کہ بعض مرتبہ.....کسی شخص نے ساری زندگی

معاصی ومنکرات میں گزاری لیکن کسی وقت کوئی عمل ایسا سرانجام دیا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ادا پسند آئی اور اسے بخش دیا، اس لیے کہ اس شخص نے جو عمل سرانجام دیا وہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کی خاطر سرانجام دیا اور..... اللہ تعالیٰ تو نیتوں کو دیکھ کر فیصلے صادر فرماتے ہیں۔

اخلاصِ نیت کا مطلب:

اخلاص نیت کا مطلب یہ ہے کہ.....آدمی جس اچھے کام کا ارادہ کرے تو دل میں رضائے الٰہی کو ملحوظ خاطر رکھے اور اس میں کسی نمود ونمائش کا شائبہ تک نہ ہو.....بعض مرتبہ انسان کی نیت تو اچھی ہوتی ہے لیکن اس میں دکھلاوے کا کوئی عنصر بھی ساتھ ہی شامل ہو جاتا ہے..... یہ انتہائی نقصان دہ ہے۔

حدیث میں ہے:

جس نے دکھلاوے کیلئے نماز پڑھی یا روزہ رکھا تو اس نے شرک کیا۔

یعنی عبادت تو صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ہی مختص ہے، اب اگر اس میں کسی کے دکھلاوے کی خواہش کہیں سے سر ابھارے.....خود نمائی کہیں سے انگڑائی لینے لگے تو ظاہر ہے یہ اسی کے لیے ہوئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کسی بھی شریک سے بری ہیں.....وہ یکتا ہیں اور بے نیاز ہیں.....اس کا کوئی ہم سر نہیں، کوئی ثانی نہیں۔

ریا، نمود ونمائش:

اخلاص نیت کے مقابلے میں ریا ہے جسے شرک اصغر قرار دیا گیا ہے.....ہم بتوں کو سجدہ کرنے والوں کی عقلوں پر ماتم کرتے ہیں.....مخلوق کے سامنے ماتھا ٹیکنے کو شرک تصور کرتے ہیں اور مدد کیلئے غیر اللہ کو پکارنے والوں کو مشرک قرار دیتے ہیں ..... یہ درست ہے کہ یہ شرک ہے لیکن دوسری طرف..... یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دکھلاوے اور نمود ونمائش کی خاطر عبادات سرانجام دینا بھی شرک سے کم نہیں۔

ریا ایک خطرناک زہر ہے اور.....اخلاص اس کیلئے تریاق کا کام دیتا ہے۔ کسی عمل میں معمولی سا بھی ریا کا دخل ہو جائے تو پھر وہ اچھے سے اچھا عمل بھی کرنے والے کیلئے وبال جان بن جاتا ہے.....قیامت کے دن صرف وہی عمل تول میں آئے گا جس میں اخلاص کا تڑکا لگا ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مجھے اپنی امت پر جس چیز کا سب سے بڑا اندیشہ ہے.....جس چیز کا مجھے سب سے زیادہ ڈر ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے اور یاد رکھو میں یہ نہیں کہتا کہ وہ آفتاب کی پرستش کریں گے یا چاند کو خدا مان بیٹھیں گے یا وہ کسی بت کے سامنے سرنگوں ہوں گے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی رضا اور اسے دکھانے کیلئے نیک اعمال کریں گے۔

ہمیں خود اپنے اپنے گریبانوں میں جھانک کر غور کرنا چاہیے کہ.....ہم کتنے اعمال خالص اللہ کیلئے سرانجام دیتے ہیں؟ اور.....کتنے اعمال ایسے ہیں جن میں ریا کا بھی عمل دخل ہوتا ہے.....ہم نماز پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں اس ڈر کی وجہ سے کہ اگر نہیں پڑھیں گے یا روزے نہ رکھیں گے تو لوگ کیا کہیں گے؟ گویا ہم یہ سب ان کو دکھانے کیلئے کرتے ہیں۔ اسی طرح.....علم حاصل کرتے ہیں تاکہ لوگ عالم کہیں.....راہ خدا میں جان کی بازی لگاتے ہیں تاکہ لوگ بہادری کے حوالے سے یاد رکھیں اور مال خرچ کرتے ہیں تاکہ معاشرے میں سخاوت ودریا دلی کے حوالے سے پہچان بن جائے..... الغرض ہمارے ہر ایک عمل میں دکھلاوے کا عنصر غالب اور اخلاص نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔

اخلاصِ نیت اور جہاد:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن سب سے پہلے تین آدمیوں سے متعلق جہنم کا فیصلہ سنایا جائے گا۔
سب سے پہلے عدالت میں ایک ایسے شخص کی پیشی ہوگی جو جہاد میں شہید ہوا ہوگا۔ وہ جب حاضر عدالت ہوگا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے اوپر کی گئی اپنی نعمتوں کو جتلائیں گے کہ میں نے آپ کو یہ یہ نعمتیں دی تھیں تو بتائیں کہ ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ اور ان کے مقابلے میں میری رضا کیلئے کون کون سے اعمال کیے؟ وہ عرض کرے گا کہ خداوند! میں نے تیری راہ میں جہاد کیا اور تیری رضا طلبی میں جان عزیز تک قربان کردی۔ حق تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے: جھوٹ بولتے ہو، تم نے جہاد صرف اس لئے کیا تھا کہ ہر سو تیری بہادری کے چرچے ہوں، سو دنیا میں وہ سب ہو چکا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے اسے اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

شہید کا اللہ کے ہاں کتنا بڑا مقام ہے کہ اس کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے ہی اس کے تمام گناہ معاف کردیے جاتے ہیں.....اور یہ کہ اسے غسل کی ضرورت ہوتی ہے نہ کفن کی اور اس سے بڑھ کر..... یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انہیں مردہ ہی نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں سے ان کو خصوصی رزق ملتا ہے۔ یہ سب کچھ اپنی جگہ.....لیکن ان میں اگر تھوڑا سا بھی ریا ونمود کا عنصر شامل ہو جائے تو اس کا حال وہی ہوگا جو اوپر ذکر ہو چکا کہ اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اخلاصِ نیت اور علم:

شہید کے بارے میں جہنم کا فیصلہ سنائے جانے کے بعد ایک عالم دین اور عالم قرآن کو عدالت میں بلایا جائے گا اور اس کے سامنے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی نعمتیں گنوانے کے بعد ان سے پوچھیں گے کہ بتا تو نے میری رضا کیلئے کیا اعمال کیے؟ وہ کہے گا کہ یا اللہ! میں نے تیرے دین اور تیری کتاب کا علم پڑھا اور پڑھایا اور یہ سب کچھ خالص تیری رضا کے حصول کیلئے کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جھوٹ بولتے ہو، تم نے

خود کو عالم اور قاری کہلوانے کیلئے یہ سب کچھ کیا تھا، سو دنیا میں وہ سب کچھ تمہیں کہا جا چکا، یہاں ہمارے پاس تیرا کوئی حصہ نہیں۔ پھر حکم خداوندی سے اس کو بھی دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

سوچنے کی بات ہے کہ.....جس شخص نے اکثر زندگی طلب علم اور پھر اس کی تدریس وترویج میں گزاری لیکن نتیجہ اور انجام سوائے جہنم کے کچھ نہ نکلا تو اس سے بڑھ کر افسوس کی اور کیا بات ہوسکتی ہے؟ اور یہ سب صرف اس لئے کہ حصول علم میں اس کی نیت خالص نہیں تھی.....اور پہلے گزر چکا کہ اعمال کی قبولیت کا فیصلہ اور دارومدار نیتوں پر ہے اور جب نیت ہی خالص نہ ہوئی تو پھر باقی کیا بچا؟

عالم کا مقام:

حدیث میں ہے کہ علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن شرط اوّل اس کیلئے وہی ہے کہ نیت خالص ہو۔ رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما دیتے ہیں۔

عالم کا مقام بہت ہی بلند وبالا ہے.....ان کی سیاہی کی قدر وقیمت شہیدوں کے لہو کے برابر ہے.....عالم کیلئے آسمانوں اور زمین کی مخلوقات بخشش طلب کرتی رہتی ہیں..... عالم کی نیند جاہل کی عبادت سے بہتر ہے.....آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کو اپنے خلفاء بتایا۔ ایک مرتبہ آپ نے دعا فرمائی: ''اللّٰھمّ ارحم خلفائی'' (اے اللہ! میرے خلفاء پر رحم فرما)۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے خلفاء کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''علماء''۔

اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ جو نبی کا خلیفہ ہو.....انبیاء علیہم السلام کا

وارث ہو.....اس کیلئے تمام مخلوقات دعا گو ہوں لیکن یہ فضیلت اس وقت کام آئے گی جب.....اس نے علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے حاصل کیا ہو.....اس کے دل میں ریا کاری اور نام ونمود کا شائبہ تک نہ ہو۔ بصورت دیگر اس کا انجام وہی ہوگا جو اوپر ذکر ہو چکا۔ عالم کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ کا ایک ہی ارشاد کافی ہے:

قل هل يستوى الّذين يعلمون

کہہ دیجئے کہ کیا عالم اور غیر عالم برابر ہو سکتے ہیں؟

عمل پر دوام:

اخلاص عمل کے ساتھ ساتھ کسی عمل پر مداومت بھی اس کی قدر و قیمت کو بڑھا دیتی ہے.....کوئی چھوٹا اور معمولی سا عمل ہو لیکن اسے پابندی کے ساتھ ہمیشہ کیا جائے، اس عمل سے بدرجہا بہتر ہے جو بڑا ہو لیکن.....کبھی کبھار کیا جائے.....دنیا میں انسان جو اچھے اعمال کرتا ہے تو وہی اعمال جنت میں اس کیلئے درخت اور محلات بن جاتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جب شب معراج میں حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اپنی امت کو میرا سلام کہنا اور انہیں میرا پیغام دے دو کہ جنت.....ایک چٹیل میدان ہے.....اس میں درخت ہیں نہ باغات.....نہریں ہیں نہ محلات اور بالا خانے.....یہ سب آپ کی تسبیح و تقدیس اور نیک اعمال کے ذریعے وجود میں آئیں گے۔

اب جو چاہے اپنے لئے جنت میں محلات تعمیر کرے یا.....درخت لگائے اور باغات بنائے.....آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

میں نے خواب میں دیکھا کہ جنت میں محل بنایا جا رہا تھا کہ پھر اچانک کام رُک گیا۔ میں نے وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ جس کے لئے یہ محل بن رہا تھا اس نے وہ عمل ہی چھوڑ دیا، اس لیے کام بھی رُک گیا۔

حدیث میں ہے:

احب الاعمال الى الله ادومها وإن قل

ترجمہ: اللہ کا پسندیدہ عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے بلال! مجھے وہ خاص عمل بتائیں جو آپ کرتے ہیں کیونکہ مجھے جنت میں آپ کے پاؤں کی آہٹ اپنے سے پہلے سنائی دی.....حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے تو معلوم نہیں البتہ ایک بات ہے کہ جب بھی میں وضو کرتا ہوں تو دو رکعت تحیۃ الوضو ضرور پڑھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس بس! یہی وہ عمل ہے۔

یہاں دیکھیں کہ بظاہر یہ کوئی اتنا بڑا عمل نہیں لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ چونکہ اس پر مداومت کرتے تھے اور اس کی عادت تھی چنانچہ اس بات نے اس عمل کو بڑا بنا دیا۔

اخلاصِ نیت اور انفاق:

تیسرا شخص جو روز قیامت اللہ تعالیٰ کی عدالت میں سب سے پہلے پیش ہوگا وہ ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بہت کچھ مال و دولت سے نوازا ہوگا، اس کے سامنے بھی تمام نعمتیں گنوائی جائیں گی اور وہ ان کا اقرار کرے گا۔ اس کے بعد اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے میرے لیے کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ خداوند! میں نے خیر کا کوئی ایسا شعبہ نہیں چھوڑا جس میں تیری رضا جوئی کیلئے اپنا مال خرچ نہ کیا ہو۔ حق تعالیٰ شانہ فرمائیں گے: تو نے مال صرف اس لئے خرچ کیا کہ لوگ دنیا میں تجھے سخی کہیں، سو دنیا میں تیری سخاوت کے بہت چرچے ہو چکے پھر اس کے بعد اس کو بھی اوندھے منہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

مال و دولت اور جاہ و ثروت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں، اگر ان کو درست طریقے سے استعمال کیا جائے..... مال کا درست استعمال یہ ہے کہ اسے صرف اور صرف اللہ کی رضا کی خاطر خرچ کیا جائے.....کوئی دکھلاوا یا کسی قسم کی نمود و نمائش اس کے اندر بالکل نہ ہو ورنہ.....یہی مال باعث بربادی بن جائے گا۔

نیک کاموں میں خرچ کرنے سے مال بڑھتا ہے:

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص ایک کھجور کے برابر پاک کمائی سے خیرات کرے گا (اور اللہ تعالیٰ پاک چیز کو ہی قبول کرتا ہے) تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں لے لیتا ہے (جیسا اس کی شان کے ساتھ مناسب ہو) پھر اس کو بڑھاتا ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی بچھڑے کو پالتا ہے یہاں تک کہ وہ پہاڑ کی طرح ہو جاتا ہے یعنی اس کا حجم اتنا بڑھ جاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے آدم کے بیٹے تو نیک کاموں میں خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ دولت پر صرف امیروں کا ہی حق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں غریبوں کے حقوق بھی رکھے ہیں.....اللہ تعالیٰ اگر چاہتے تو براہِ راست غریبوں کو مال و دولت سے نوازتے لیکن یہ ان کی منشاء اور مرضی کے خلاف تھا اور دوسرے مصالح کارفرما تھے۔ چنانچہ انہوں نے امیروں کو مال عطا فرمایا اور اس مال میں غریبوں کے حقوق رکھے۔

سخاوت اور بخل:

اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال میں بخل سے کام نہیں لینا چاہئے۔ اس لئے کہ جو مال.....اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ آپ کو اور مال بھی عطا فرمائے اور

مشاہدے کی بات بھی یہی ہے کہ جو شخص..... جتنا اللہ کی راہ میں زیادہ خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مال میں اتنی ہی برکت ڈال دیتے ہیں لیکن جو شخص..... مال دبا کر رکھتا ہے اور.....اس پر زہریلے ناگ کی طرح پھن پھیلائے بیٹھ جاتا ہے تو طرح طرح کی آفات اس کے مال کو چٹ کر جاتی ہیں اور..... اسے پتہ ہی نہیں چلتا کہ مال کہاں گیا.....صدقہ خیرات کرنے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے وہ بڑھتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے: "یربی الصدقٰت" کہ اللہ تعالیٰ صدقات کو بڑھا دیتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ سخی آدمی لوگوں کا محبوب ہوتا ہے، جنت کے قریب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا بھی محبوب ہوتا ہے جبکہ بخیل آدمی لوگوں سے دور ہوتا ہے، جنت سے دور ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بھی دور ہوتا ہے۔

بے پایاں عطا فرمانے والی ذات:

دینے والی ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے.....وہ اپنی مخلوق کو ایسی ایسی جگہوں سے رزق عطا فرماتے ہیں کہ انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اجازت سے مخلوق کیلئے دعوت کا اہتمام کیا.....انہوں نے جن وانس کو کھانے کی تیاری پر لگا دیا..... ہوا کو حکم دیا کہ کوئی چیز خراب نہ ہو.....نہیں معلوم کتنا عرصہ وہ دعوت کی تیاری میں لگے رہے.....آخر کار دعوت کا انتظام مکمل ہو گیا۔ سب سے پہلے آپ نے سمندری مخلوق کو بلایا.....سمندر سے ایک دیوہیکل مچھلی نے سر نکالا اور جو چیزیں رکھی ہوئی تھیں ان کا ایک نوالا بنا لیا اور پھر گویا ہوئی کہ یا اللہ! اس سے قبل تو آپ مجھے اس طرح کے تین نوالے دیا کرتے تھے۔

جنوبی افریقہ میں مجھے کسی نے بتایا کہ یہاں ایک مچھلی ایسی پائی جاتی ہے جو دس ہاتھیوں کے برابر ہے، وہ دن میں 14 کروڑ روپے کی مچھلیاں اور جھینگے کھا جاتی

ہے.....آپ اندازہ لگائیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی بڑی مخلوقات ہیں اور وہ.....ان کو بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ مدرسے کے باورچی خانے کے سامنے ایک ٹرک کھڑا ہے اور اس سے چاول کی بوریاں اتاری جارہی ہیں۔ میں نے قریب جا کر معلومات حاصل کرنا چاہیں کہ کس نے بھیجا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جس شخص نے یہ بھیجا ہے اس نے اپنا نام یا اتا پتا بتانے سے منع کیا ہوا ہے البتہ آپ وصولی کی رسید بنا کر ہمیں دے دیں تا کہ ان تک پہنچا سکیں۔ چنانچہ میں رسید کٹوانے دفتر گیا تو وہاں ایک پولیس افسر بیٹھے ہوئے تھے۔ سلام دعا کے بعد پوچھنے لگے کہ حضرت ایک معمولی سی بات جاننے کیلئے یہاں آیا ہوں کہ آپ کے مدرسے کے اخراجات کیسے اور کہاں سے پورے ہوتے ہیں؟ میں نے فوراً کہا کہ باہر جا کر دیکھیں گیٹ کے پاس ایک ٹرک کھڑا ہے ان سے پوچھیں کہ یہ سب کس نے بھیجا ہے، اگر وہ آپ کو بتا دیں تو ٹھیک ورنہ اس ذات کی طرف سے آیا ہے جو بے حساب اور بے پایاں رزق دینے والا ہے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ رزق اللہ دیتا ہے..... مال و دولت سب اللہ کی دین ہے تو اس کے دیئے ہوئے کو اسی کی راہ میں اور اسی کی رضا کیلئے خرچ کرنا چاہئے.....اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر اجر کا وعدہ ہے لیکن اگر اس کے دیے ہوئے مال کو غیر اللہ کیلئے خرچ کیا یا کسی ریا و دکھلاوے کی خاطر تو انجام اس مالدار کا سا ہوگا جس کا ابھی ذکر ہوا۔

نیک کام کے ارادے پر ہی ثواب کا فیصلہ:

اللہ تعالیٰ نیتوں کو دیکھ کر فیصلے فرماتے ہیں چنانچہ بعض مرتبہ انسان ایک کام سرانجام نہیں بھی دیتا یا نہیں دے سکتا لیکن اس کا پکا ارادہ ہو اس کام کے کرنے کا تو اللہ تعالیٰ اس کا ثواب اس شخص کے کھاتے میں لکھ دیتے ہیں.....حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ بڑے پائے کے محدث، عظیم مجاہد اور بڑے بزرگ ہو گزرے ہیں۔ آپ نے ایک مرتبہ

حج کا ارادہ فرمایا چنانچہ ایک قافلہ کے ساتھ ہو لئے۔ راستے میں قافلے نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ زمین پر پڑی ایک مردار مرغی کو ایک لڑکی اٹھا کر لے جا رہی ہے۔ آپ نے آواز لگائی کہ بیٹی یہ مردار ہے۔ لڑکی نے کہا کہ چھوڑو یہ باتیں کہ مردار ہے یا حلال۔ پھر کہنے لگی یہ ہمارے لئے حلال ہے، اس لئے کہ ہم حالت اضطرار میں ہیں، ہمارے گھر میں فاقہ ہے۔ حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ سوچ میں پڑ گئے کہ میں تو حج کو جا رہا ہوں جبکہ ان لوگوں کے گھر میں کھانے کیلئے کچھ نہیں۔ جتنے پیسے پاس تھے سب ان کو دے دیئے اور خود وہیں سے واپس گھر لوٹ گئے۔

اس سال منیٰ میں ایک بہت بڑے عالم نے خواب دیکھا کہ ابن مبارکؒ کے حج کی وجہ سے امسال تمام حاجیوں کے حج قبول ہو گئے۔ اس عالم نے جب معلومات کیں تو انہیں بتایا گیا کہ ابن مبارکؒ تو حج کیلئے آئے ہی نہیں وہ تو راستے سے ہی واپس چلے گئے تھے مگر اس عالم دین نے ان کی تلاش میں بغداد کا سفر کیا کہ دیکھیں تو سہی کیسا آدمی ہے جس کی وجہ سے سارے حاجیوں کے حج کو شرف قبولیت نصیب ہوا۔ آخر کار ڈھونڈتے ڈھانڈتے ابن مبارکؒ سے ملاقات ہو ہی گئی۔ انہوں نے کہا کہ ابن مبارک! حج مبارک ہو۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کہا کہ میں تو حج پر گیا ہی نہیں۔ اس عالم نے حیرت سے کہا کہ آپ کی وجہ سے تو سارے حاجیوں کا حج قبول ہونے کی بشارت ملی ہے۔ حضرت ابن مبارکؒ نے انہیں پورا واقعہ سنا دیا۔ غور فرمائیں کہ انہوں نے حج تو نہیں کیا لیکن اسی نیت و ارادے کے ساتھ گھر سے نکلے تھے۔

خواہش کی تکمیل یا ضروریات کا خیال:

زیارت حرمین شریفین اور کوچہ سرکار دیکھنے کی تمنا کسے نہ ہوگی؟.....کون ہوگا جو دیار حبیب ﷺ کی مٹی کو آنکھوں کا سرمہ بنانے کیلئے بے تاب نہ ہوگا لیکن.....لیکن اس کے ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ آپ کے اردگرد غریب ولاچار.....محرومیوں کے

ستائے ہوئے لوگ تو نہیں..... کہیں آپ کا پڑوسی بھوکے پیٹ تو نہیں سو رہا..... کہیں کوئی مریض علاج کی سہولت دستیاب نہ ہونے کے باعث ایڑیاں تو نہیں رگڑ رہا۔ اگر ایسا ہے تو سب سے پہلے اس کا تدارک کرنا چاہئے۔ فرض حج کی بات الگ ہے کہ وہ تو فرض ہے ورنہ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں کہ آج کل حج وعمرہ محض ایک فیشن سا بن گیا ہے..... یا پکنک منانے کا ذریعہ..... دل کی ایک خواہش اور نفس کی آرزو ہوتی ہے چنانچہ ہم آنکھیں بند کر کے خواہش کی تکمیل میں جت جاتے ہیں..... یہ نہیں دیکھتے کہ ضرورت کیا ہے اور کس چیز کی ہے؟

زکوٰۃ دینے سے مال بڑھتا ہے

اقیموا الصّلوٰۃ واٰتوا الزّکوٰۃ وارکعوا مع الراکعین.

وقال النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم : بنی الاسلام علٰی خمس شھادۃ ان لّا الٰہ الا اللّٰہ وانّ محمدا رّسول اللّٰہ واقام الصّلوٰۃ وایتآء الزّکوٰۃ والحج وصوم رمضان.

اسلام کی عمارت پانچ ارکان پر کھڑی ہے، پہلا رکن اور بنیاد کلمہ طیبہ ہے، دوسرا رکن نماز ہے، تیسرا زکوٰۃ، چوتھا حج اور پانچواں روزہ۔ نماز کے بعد سب سے اہم بنیادی چیز مال کی زکوٰۃ دینا ہے۔ زکوٰۃ کے تین معنی آتے ہیں: پہلا معنی ہے پاک کرنا، صاف کرنا۔

خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا. (الآیۃ)

آپ ﷺ ان کے مالوں سے صدقات وصول کریں اور اس کے ذریعے سے انہیں پاک اور صاف کریں۔ مال کی نجاست، پلیدی زکوٰۃ کے ذریعہ سے نکل جاتی ہے، جس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو تو وہ مال پلید، نجس اور غلیظ ہے۔ دوسرا معنی زکوٰۃ کا حلال کرنا ہے۔ زکوٰۃ دینے سے آپ کا باقی مال حلال ہو جاتا ہے، جیسے کسی جانور حلال کا جب شرعی طریقے سے ذبیحہ کر کے خون بہا دیا جاتا ہے تو وہ جانور حلال ہو جاتا ہے لیکن اگر خون نکالے بغیر وہ جانور مر جائے یا آپ اس کا کوئی عضو کاٹ ڈالو تو وہ جانور اور وہ عضو مردار اور حرام ہے؟ آپ اسے نہیں کھاتے ہو اس لئے کہ وہ حلال نہیں۔ اسی طرح جس مال کی زکوٰۃ سال گزرنے پر نہ دی جائے اور وہ زکوٰۃ کا مال دوسرے مال میں باقی رہ گیا تو وہ سارا مال گویا ناپاک اور حرام ہو گیا، اگرچہ وہ مال آپ کے خون پسینے کی کمائی ہو، وہ اس جانور کی طرح مردار ہے جو بغیر خون نکلے مر جائے، خواہ آپ نے وہ مال زمینداری

کر کے یا بزنس کر کے کمایا ہو یا سونا ہو یا چاندی ہو یا کوئی دوسرا مال، وہ سارا مال ناپاک اور حرام ہے۔ زکوٰۃ کے تیسرے معنی ہیں بڑھنا، زیادہ ہونا، نشونما پانا، پھلنا پھولنا، جس مال سے زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے وہ باطنی طور پر بڑھتا ہے اور جس سے زکوٰۃ نہ دی جائے وہ گھٹتا ہے۔ بظاہر زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے پیسہ زیادہ نظر آ رہا ہے لیکن اس کا انجام تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔

یمحق اللّٰہ الربوٰا ویربی الصّدقات.

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جاتی ہو، یاد رکھو وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتا، وہ ہلاکت و بربادی کا باعث ہوتا ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ جس مال کی زکوٰۃ دی جاتی ہے اس کا محافظ خود خدا ہوتا ہے، آپ اس مال کی زیادہ فکر نہ کریں، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ بخاری شریف میں حدیث ہے کہ ایک شخص جنگل میں جا رہا تھا اس نے ایک غیبی آواز سنی کہ بادل کو حکم دیا جا رہا تھا کہ فلاں شخص کی کھیتی پر برس، بادل حکم سن کر ایک طرف کو روانہ ہوا، یہ شخص اس کے پیچھے چلا، وہ بادل ایک کھیت پر جا کر برسا، نہ اس سے آگے نہ پیچھے۔ وہ شخص کافی حیران ہوا، وہ کھیت کے مالک سے ملا اور اس سے نام پوچھا، اس نے وہی نام بتایا جو اس شخص نے سنا تھا۔ پھر اس نے کھیت کے مالک کو پورا واقعہ بتلایا کہ بادل کو صرف تمہارے کھیت پر برسنے کا حکم ہوا، آخر آپ میں ایسی کونسی صفت ہے یا آپ کا ایسا کونسا عمل ہے جس کی بدولت آپ کو یہ اعزاز ملا؟ کھیت کے مالک نے کہا: میرا تو کوئی عمل نہیں ہے، میں کوئی بزرگ نہیں ہوں، ہاں میں اتنا کرتا ہوں کہ میرے کھیت میں جو اناج گندم جو بھی پیداوار ہوتی ہے میں اس کے تین حصے کر دیتا ہوں، ایک حصہ غریب غرباء میں بانٹ دیتا ہوں، ایک حصہ دوبارہ باغ میں لوٹا دیتا ہوں، اس کے لئے دانے کھاد کٹائی وغیرہ کے اخراجات پر خرچ کرتا ہوں اور تیسرا حصہ اپنے بال بچوں اور اپنی

ضروریات میں صرف کرتا ہوں۔ کھیت کی پوری آمدنی میری نہیں اور نہ میرے بال بچوں کی ہے بلکہ اس میں میرے ساتھ فقراء بھی شریک ہیں۔ اس شخص نے کہا بس یہی وجہ ہے کہ آپ ہر حق دار کو اس کا حق پہنچاتے ہو، جب انسان کسی کا حق نہیں روکتا تو وہ مال کبھی ضائع نہیں ہوتا ہے۔

امام ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث گزرے ہیں، انہوں نے اپنی کتاب میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص دودھ میں پانی ملا کر بازار میں بیچا کرتا تھا، اس نے کافی پیسے جمع کر لئے، انہیں ایک تھیلے میں ڈال کر اپنے علاقے کے لئے کشتی میں سوار ہوا، وہ تھیلا مال سے بھرا ہوا اس نے اپنے پاس رکھا ہوا تھا، اچانک ایک بندر نے جھپٹا مار کر وہ تھیلا چھینا اور کشتی میں اونچی جگہ پر بیٹھ گیا۔ وہ ایک روپیہ نکالتا اور سمندر میں ڈالتا کہ یہ پانی کا حصہ ہے اور ایک روپیہ اس دودھ فروش کی طرف پھینکتا، اس طرح کر کے اس نے تھیلے کے سارے پیسے تقسیم کر دیئے۔

اسی سے یہ محاورہ بنا ہے جو ہمارے عرف میں مشہور ہے کہ ''دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا''، پانی کے پیسے پانی میں گئے اور دودھ کے پیسے دودھ والے کو ملے۔ یہ اُس کے اپنے کئے کا انجام تھا، اس کے عمل کا اثر تھا۔ انسان جو بھی عمل کرتا ہے اچھا یا برا اسے اس کا بدلہ ضرور ملتا ہے، جلد ملے یا دیر میں لیکن بدلہ مل کر رہتا ہے۔ آپ سب کہتے ہیں کہ خدا کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

کویت میں ایک عالم نے جمعہ کے خطبہ میں اپنا ایک واقعہ سنایا کہ میرے پاس ایک مرتبہ ایک سنار آیا وہ بہت نیک اور شریف انسان تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے بہت احتیاط سے زندگی گزاری ہے کہ کہیں خدا کی کوئی نافرمانی نہ ہو جائے لیکن ایک مرتبہ مجھ سے غلطی ہوئی، میں اپنی دکان میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک خاتون باپردہ دکان میں داخل ہوئی، اسے انگوٹھی بنوانی تھی، جب میں نے ناپ لینے کے لئے اس کا ایک ہاتھ دیکھا تا کہ انگلی کا ناپ

لوں تو مجھ پر شیطان غالب آ گیا، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر شہوت کے ساتھ دبایا، کچھ دیر بعد وہ خاتون چلی گئی تو مجھے پشیمانی نے گھیر لیا کہ مجھ سے بڑا گناہ سرزد ہوا کہ ایک غیر محرم کا ہاتھ میں نے ہاتھ میں لیا، دل پر بوجھ بڑھا تو میں دکان بند کر کے گھر روانہ ہوا، جب گھر کے قریب پہنچا تو دیکھا میری بیوی دروازے کے پاس کھڑی رو رہی تھی۔ میں حیران ہوا کہ یہ تو گھر سے نکلتی نہیں آج دروازے پر کیسے کھڑی ہے۔ میں فوراً اس کے پاس گیا اور اس سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ نہ جانے آج ہم سے کیا گناہ ہوا کہ ہمارے گھر کا پرانا ملازم جو انتہائی شریف انسان تھا، کافی عرصہ سے ہمارے ساتھ رہ رہا ہے لیکن آج تک ہم نے اس میں کوئی عیب نہ دیکھا، آج نہ جانے اسے کیا ہوا کہ وہ مجھے آنکھ سے اشارے کرنے لگا، اُس کی حرکت پر میں دل برداشتہ ہو کر رونے لگی اور دروازے پر آ گئی۔ سنار کہتا ہے کہ میں سمجھ گیا کہ یہ میرے اس عمل کا اثر اور خمیازہ ہے جو میں نے نامحرم عورت کا ہاتھ پکڑا تھا۔

ایسے اثرات اور نتائج واقعات کی صورت میں اللہ تعالیٰ ظاہر فرما دیتے ہیں تاکہ ہمیں عبرت ہو، ہر عمل اپنا اچھا یا برا اثر دنیا یا آخرت میں رکھتا ہے۔ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مجھ سے کوئی گناہ یا کوتاہی سرزد ہوتی ہے تو میں اس کا اثر اپنے ملازم میں، اپنی سواری میں دیکھتا ہوں کہ ملازم اطاعت نہیں کرتا اور سواری مجھے بیٹھنے نہیں دیتی، بدکتی اچھلتی رہتی ہے۔ یہ بے حیائی، یہ پلیدی، یہ نجاستیں، یہ بے شعوری، یہ پریشانیاں سب ہمارے برے اعمال کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔

وما انا بظلّام للعبید.

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر معمولی سا ظلم بھی نہیں کرتا، یہ سب ہمارے اپنے ہاتھوں کی کھیتی ہے۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی، نہ مانے تو کر کے دیکھ

اس وجہ سے حدیث میں آتا ہے کہ بے دین بادشاہوں کو بددعائیں مت دو۔

ولٰکن أصلحوا اعمالکم.

اپنے اعمال کی اصلاح کرو، اس کی برکت سے تم پر دیندار حکمران حکومت کرے گا۔ جب حکمران نیک اور عادل ہوں گے تو ان کے اثرات پورے معاشرے پر اچھے ہوں گے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ راشد تھے، ان کے دور حکومت میں چرواہے اپنی بکریوں کی نگرانی نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ کوئی شیر کوئی بھیڑیا انہیں نقصان نہیں پہنچاتا تھا۔ ایک دن چرواہے اپنی بکریوں کو چھوڑ کر باہم گفت وشنید میں مصروف تھے کہ اچانک ایک بھیڑیے نے حملہ کر کے ایک بکری کا شکار کر لیا۔ چرواہے فوراً کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: لگتا ہے کہ خلافت اور حکومت بدل گئی ہے۔ حکمرانوں کی نیتوں اور ارادوں کا بھی قوم اور معاشرے پر اثر ہوتا ہے۔

ہارون رشید ایک مرتبہ سفر میں تھے، راستہ میں صحرا کے اندر ایک انار کے باغ کو دیکھا تو اندر داخل ہو گئے، باغبان کو پتہ نہ تھا کہ یہ امیر المومنین ہیں۔ ہارون نے باغبان سے کہا: پیسے لے لو اور ہمارے لئے انار کا رس نکال کر لاؤ۔ باغبان نے ایک درخت سے انار توڑا اور اس کا رس نکالا تو ایک ہی انار سے پورا جام بھر گیا۔ جب ہارون نے اسے پیا تو اسے بہت فرحت محسوس ہوئی۔ اس نے دل میں سوچا کہ یہ باغ تو بہت عمدہ ہے، اسے نیشنلائز کیوں نہ کیا جائے، حکومت اسے کیوں نہ لے لے۔ ہارون نے باغبان سے کہا کہ ایک گلاس اور رس بناؤ۔ باغبان نے اسی درخت سے دوسرا انار توڑا تو اس سے رس بہت کم نکلا اور کھٹا بھی بہت تھا۔ ہارون نے کہا: کیا یہ انار پہلے والے درخت سے توڑا ہے؟ باغبان نے کہا: جی ہاں۔ ہارون نے کہا: پھر اس کا رس اتنا کم اور کھٹا کیوں ہے؟ باغبان نے جواب دیا: لگتا ہے کہ ہمارے امیر کے ارادوں میں خرابی پیدا ہو گئی ہے جس کا ظہور انار کی ترشی اور

خرابی کے ساتھ ہوا ہے۔

ہماری قوم کے ساتھ عجیب واقعات ہو رہے ہیں، جسے سوچ سوچ کر آدمی پریشان رہتا ہے، نہ ہماری فوج محفوظ، نہ ہمارے علماء، نہ ہمارے سیاستدان محفوظ، نہ ہمارے عوام حتیٰ کہ ملک کے ایئرپورٹ تک غیر محفوظ ہیں۔ ایئرپورٹ میں جو بچے زندہ جل رہے تھے وہ موبائل سے تمہیں فون پر فون کر رہے تھے، ہمارے وزیراعلیٰ، منسٹر کن تماشوں میں لگے ہوئے تھے، حکومتی ارکان کس کیمرے کے سامنے تصویریں بنوا رہے تھے، پھر کہتے ہیں کہ ہم نے دس دہشت گردوں کو مار دیا، ماشاءاللہ بہت اچھا کام کیا۔

بُنیر کے رہنے والے ایک احمق نے نمک کو پانی میں بو دیا، کسی نے پوچھا: وہ نمک اُگ آیا ہے۔ بنیری نے کہا: نہیں اسے ہماری دشمن ٹڈیوں نے کھا لیا ہے۔ اس بنیری کے ایک بھائی کے کندھے پر ٹڈی بیٹھی ہوئی تھی، دوسرے بھائی نے کہا: ہمارا دشمن یہاں بیٹھا ہوا ہے، وہ بنیری گیا اور بندوق لا کر اس نے ٹڈی کو گولی مار دی، ٹڈی تو مری مری، اس کے ساتھ اس کا بھائی بھی مر گیا۔ بنیری نے کہا کہ کوئی بات نہیں ایک ہم میں سے گیا، ایک ان میں سے گیا۔

دس آدمی اتنے بھاری اسلحے سمیت اندر داخل کیسے ہو گئے، جگہ جگہ اتنی سخت چیکنگ، وہ کس راستے سے آئے اور کس راستے سے گئے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تم نااہل ہو، پوری دنیا پر تمہاری حماقت، بے وقوفی، نااہلی ظاہر ہو گئی ہے۔ تم حکومت کرنے کے اہل نہیں ہو، میں ابھی باہر کی دنیا سے آیا ہوں پوری دنیا تمہاری نااہلی پر رو رہی ہے۔ تیس قیمتی جانیں جن میں سے سات بچے بھی تھے محض تمہاری بے وقوفی اور بے عقلی کی وجہ سے ضائع ہوئی ہیں، پھر ان کا یہ کہنا کہ ہم نے دس دہشت گرد مار دیئے، میں سمجھتا ہوں یہ بھی جھوٹ ہے۔ وہ آسانی سے آئے اور آرام سے چلے گئے، انہیں جو کام کرنا تھا وہ انہوں نے کر لیا، قوم کو جھوٹ دکھا رہے ہیں اور اس حادثہ کے دوران ہمارے یہ بے غیرت، بے

ایمان حکمران کیمرے کے سامنے کھڑے بے غیرتی کی تصاویر بنا رہے تھے۔

تو میرے محترم دوستو! میں صرف حکومت کو نہیں کہتا ہمیں بھی اپنے ارادے صحیح کرنا چاہئیں۔ ہمیں بھی بحیثیت مسلمان صحیح لیول پر آنا پڑے گا۔ یہ جو فساد ہم پر مسلط کیا گیا ہے یہ سب اچانک نہیں ہوا بلکہ اس کے پیچھے ایک طاقت ہے تاکہ پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کی جا سکیں۔

یتیموں کے حقوق اور ہمارا طرزِ عمل

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی یتیم کے سر پر صرف اللہ کے لئے ہاتھ پھیرا تو اس کے لئے یتیم کے سر پر ان بالوں کے عوض جن پر اس کا (محبت وشفقت سے) ہاتھ لگا ہے، نیکیاں ثابت ہوں گی اور جس نے اس یتیم لڑکے یا یتیم لڑکی کے ساتھ جو اس کی پرورش وتربیت میں ہوں، اچھا سلوک کیا تو میں اور وہ آدمی جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح قریب قریب ہوں گے اور آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں کو ملایا (رواہ احمد وترمذی)۔

یتیم کے معنی اکیلے اور منفرد کے ہیں۔ جو موتی سیپ میں تنہا ہو اس کو ''در یتیم'' کہا جاتا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں یتیم اس نابالغ بچے کو کہا جاتا ہے جس کا باپ فوت ہو چکا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے یتیم کے ساتھ برے سلوک کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تو نے اسے دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے۔ یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (سورۃ الماعون۔۳)۔

اس سورت میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ یتیم کے ساتھ بدسلوکی اور اس کی توہین مؤمن کی شان سے بعید ہے۔ یتیم سے بدسلوکی اپنی ذات میں بہت مذموم اور سخت گناہ ہے اس لئے اس پر جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ سورۂ فجر میں کفار کی بری خصلتوں میں سے ایک خصلت یہ بیان کی گئی ہے کہ

''تم یتیم بچے کا اکرام واحترام نہیں کرتے''

یعنی صرف یہی نہیں کہ تم یتیم کو اس کا حق دو اور اس پر خرچ کرو بلکہ واجب ہے کہ اس کی عزت واحترام بھی کرو اور اپنے بچوں کے مقابلے میں اس کو ذلیل وحقیر نہ جانو۔

باپ اپنے بچوں کے لئے ایک شجر سایہ دار کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو بچہ باپ کے سائے سے محروم ہو گیا گویا کہ اس کا سب کچھ چھن گیا۔ پورا معاشرہ مل کر اس بچے کو پیار کرے اور اس کا خیال رکھے تب بھی یہ باپ کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے غم کا کسی حد تک مداوا ہو سکتا ہے لہٰذا معاشرے کے ہر فرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ یتیم بچے کو اپنی آغوش محبت میں لے، اسے پیار کرے، اس کے مال واسباب کی حفاظت کرے، اس کی تعلیم وتربیت کی فکر کرے اور ہر طرح سے اس کا خیال رکھے تاکہ اس کا ننھا سا ذہن انتشار اور منفی سوچ کا شکار نہ ہو اور یہ سب کچھ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہو۔ کسی مالی منفعت، بدلے یا نام ونمود کے لئے نہ ہو۔

ایسے ہی لوگوں کی مدح کرتے ہو رب کائنات نے فرمایا کہ:

(ایسے لوگ نیکی کرنے کے بعد یوں کہتے ہیں) ہم تو محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں۔ نہ ہم تم سے بدلہ چاہیں اور نہ شکر گزاری (سورۂ دہر۔۱۱)۔

دیگر معاملات کی طرح آج ہم یتیموں کے معاملے میں بھی اسلامی تعلیمات وسنت نبوی ﷺ کی خلاف ورزی اور زمانۂ جاہلیت کے مشرکین کی راہ پر گامزن ہیں۔ اگر ہمارے کسی عزیز کا انتقال ہو جاتا ہے تو سب سے پہلے تو قبرستان سے واپسی پر پھر سوئم، جمعرات، چہلم اور برسی کے نام پر مرحوم کے یتیم بچوں کا مال ہڑپ کرتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی جس کا بس چلتا ہے وہ ان بے بس ومعصوم بچوں کو وراثت میں ملنے والے اثاثوں پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حتیٰ کہ چچا، تایا اور ماموں جیسے قریبی رشتے داروں کو بھی دیکھا گیا ہے کہ اپنے بھانجوں، بھتیجوں کے مال پر قابض ہو گئے جبکہ اصل وارث در بدر بھیک مانگتے پھر رہے ہیں۔

ایسے لوگ نہ تو یہ سوچتے ہیں کہ ان یتیم بچوں کا کیا بنے گا اور نہ ہی یہ سوچتے ہیں کہ

کل کو میرے بچے بھی یتیم ہو سکتے ہیں اور ان کے ساتھ بھی یہی سلوک ہو سکتا ہے جبکہ خالق کائنات یہ حکم دے رہا ہے کہ:

یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ بہتر ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے سن رشد کو پہنچ جائے (سورۂ بنی اسرائیل)۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ میں جائیں گے (سورۂ نساء۔۱۰)۔

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یتیم کا مال ناجائز طور پر کھانے کو گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سات ہلاک کر دینے والی باتوں سے بچو'' پوچھا گیا: یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (۲) جادو کرنا (۳) کسی کو ناحق قتل کرنا (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) میدان جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا (۷) پاک دامن ایمان والی اور بے خبر عورتوں کو زنا کی تہمت لگانا (متفق علیہ)۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معراج کی رات کا واقعہ پوچھا۔ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ نیچے لٹک رہے ہیں اور فرشتے ان کو گھسیٹ کر، ان کا منہ کھول کر جہنم کے گرم پتھر ان میں ٹھونس رہے ہیں جو ان کے پیٹ میں سے پیچھے راستے سے نکل جاتے ہیں اور وہ بری طرح چلا رہے ہیں، ہائے وائے مچا رہے ہیں، میں نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیلؑ نے بتایا: ''یہ یتیموں کا مال ناحق کھا جانے والے ہیں جو اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب دوزخ میں

جائیں گے (ابن کثیر)۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

یتیم کا مال ناحق کھانے والا قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ پیٹ کے اندر سے آگ کی لپٹیں اس کے منہ، ناک، کانوں اور آنکھوں سے نکل رہی ہوں گی۔ ہر دیکھنے والا پہچان لے گا کہ (یہ بدبخت) یتیم کا مال کھانے والا ہے (ابن کثیر)۔

اسلام نے یتیم کے ساتھ حسن سلوک کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے اور اس پر شفقت کرنے اور کھانا کھلانے کو جنت میں داخلے کا سبب بتایا گیا ہے اور کسی یتیم کی بے غرض پرورش و دیکھ بھال کو بہت بڑا عمل بتایا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمان گھروں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور مسلمانوں کے گھروں میں بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جائے (ابن ماجہ)۔

عام طور سے دیکھا یہ گیا ہے کہ بعض لوگ یا تو وقتی طور پر جذبۂ ہمدردی کے تحت یا پھر کسی لالچ کے باعث کسی یتیم کو گھر تو لے آتے ہیں مگر اس کے بعد وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ یہ بچہ بھی انسان ہے اور اس کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ ان کے گھر میں اس یتیم بچے کو نوکروں کے برابر درجہ بھی نہیں دیا جاتا بلکہ اسے غلام تصور کر لیا جاتا ہے۔ ایسے لوگ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اس بچے کے ساتھ ہر زیادتی اور ہر ظلم کا حساب دینا پڑے گا اور ویسے بھی بحیثیت مسلمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا اگر کسی مسلمان بھائی کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کے یتیم بچے دوسرے مسلمانوں کے بھتیجے ہیں اس لئے اپنے مرے ہوئے بھائی کے بچوں پر ظلم و ستم ڈھانا یقیناً ضمیر کے مردہ ہونے کی علامت ہے۔

بعض لوگ کسی یتیم کی سرپرستی محض اس لئے قبول کرتے ہیں تاکہ اس کے مال پر

قابض ہوسکیں اور پھر یتیم بچے کو تو گھر میں عضو معطل بنا دیا جاتا ہے جبکہ اس کی دولت پر یہ عیش کرتے پھرتے ہیں حتیٰ کہ بعض لوگ تو جائیداد پر قبضہ کرنے کے بعد اس کے اصل وارث کو گھر سے ہی نکال دیتے ہیں جبکہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمادیا ہے کہ:

اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ اپنے سن رشد کو پہنچ جائے (سورۂ انعام ۱۵۲)۔

الغرض یتیم کے حقوق اور اس کے مال و جائیداد کے معاملے میں ہر شخص کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے کیونکہ اس دنیا کی زندگی بہت مختصر ہے اور یہاں کی پریشانی اور راحت بھی اسی قدر مختصر و محدود ہے۔ اصل زندگی تو مرنے کے بعد کی ہے جہاں کی تکلیف و پریشانی بھی دائمی ہے اور خوشی و راحت بھی۔ یتیم کا مال غصب کرنے والا خواہ کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو، چند سال کے بعد خاک میں مل جائے گا پھر اس کی اولاد اس حرام مال کو عیاشی میں صرف کر کے خود بھی جہنم کا ایندھن بنے گی اور اپنے ظالم باپ کے گناہوں میں بھی اضافہ کا باعث بنے گی لہٰذا ہوشیار وہ نہیں جو کسی یتیم کے مال پر قبضہ کر کے کروڑ پتی بن جائے بلکہ عقل مند وہ ہے جو یتیم کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے ہوئے جنتی بن جائے۔

رشتے داروں کے حقوق اور صلہ رحمی

فقیہ ابو اللیثؒ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک بہت نیک، امانتدار شخص خراسان کے رہنے والے تھے۔ لوگ ان کے پاس امانتیں رکھوایا کرتے تھے۔ ایک شخص ان کے پاس دس ہزار اشرفیاں امانت رکھوا کر اپنی کسی ضرورت سے سفر میں چلا گیا، جب وہ سفر سے واپس آیا تو ان خراسانی کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کے اہل و عیال سے اپنی امانت کا حال پوچھا۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ ان کو بڑی فکر ہوئی کہ بہت بڑی رقم تھی۔ علماء مکہ مکرمہ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ انہوں نے کہا کہ وہ آدمی تو بڑا نیک تھا، ہمارے خیال میں جنتی آدمی تھا۔ تو ایک ترکیب کر، جب آدھی یا تہائی رات گزر جائے تو زمزم کے کنویں پر جا کر اس کا نام لے کر پکار پھر اس سے دریافت کر۔ اس نے تین دن تک ایسا ہی کیا۔ وہاں سے کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے پھر جا کر ان علماء سے تذکرہ کیا۔

علماء کرام نے انا للہ..... پڑھا اور کہا کہ ہمیں تو یہ ڈر ہو گیا کہ وہ شاید جنتی نہ ہو۔ تو فلاں جگہ جا، وہاں ایک وادی ہے جس کا نام برہوت ہے۔ اس میں ایک کنواں ہے۔ اس کنویں پر آواز دے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ وہاں سے پہلی ہی آواز میں جواب ملا کہ تیرا مال ویسا ہی محفوظ رکھا ہے۔ مجھے اپنی اولاد پر اطمینان نہ ہوا اس لئے میں نے فلاں جگہ مکان کے اندر اس کو گاڑ دیا ہے۔ میرے لڑکے سے کہہ کہ تجھے اس جگہ پہنچا دے، وہاں سے زمین کھود کر اس کو نکال لے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور مال مل گیا۔ اس شخص نے وہاں کنویں پر بہت تعجب سے اس سے یہ بھی دریافت کیا کہ تو تو بہت نیک آدمی تھا تو یہاں کیوں پہنچ گیا؟ کنویں سے آواز آئی کہ خراسان میں میرے کچھ رشتے دار تھے جن سے میں نے قطع تعلق کر رکھا تھا۔ اسی حال میں میری موت

آ گئی اسی وجہ سے میں یہاں پکڑا ہوا ہوں (تنبیہ الغافلین)۔

اسلام نے صلہ رحمی کی بہت زیادہ تاکید کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں درجنوں آیات میں اپنے رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ، نساء، انعام، انفال، یوسف، نحل، رعد، ابراہیم، بنی اسرائیل، مریم، طٰہٰ، فرقان، احقاف، نوح، نور، عنکبوت، لقمان اور محمد کے علاوہ بہت سی سورتوں میں صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے جبکہ احادیث مبارکہ تو بے شمار ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بے شک اللہ جل شانہ اعتدال کا اور احسان کا اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور منع کرتے ہیں بے حیائی سے اور بری بات سے اور کسی پر ظلم کرنے سے اور تم کو (ان امور کی) نصیحت فرماتے ہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرلو (نحل، ع ۱۳)۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، جس سے کہ اپنی حاجت طلب کرتے ہو اور رشتوں سے ڈرتے رہو یعنی ان کو جوڑتے رہو، توڑو نہیں (نساء۔ ع ۱)۔

رشتے دار کا جو حق نیکی اور صلہ رحمی کا ہے وہ ادا کرتے رہو۔

یہ تو تھیں رشتے داروں سے حسن سلوک سے متعلق آیات، اب بدسلوکی اور اس پر قرآن پاک کی تنبیہ ملاحظہ فرمائیے:

اور نہیں گمراہ کرتا اللہ تعالیٰ اس مثال سے مگر ایسے فاسق لوگوں کو جو توڑتے رہتے ہیں اس معاہدہ کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے تھے، اس معاہدہ کی پختگی کے بعد اور قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو جن کے وابستہ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا اور فساد کرتے رہتے ہیں زمین میں، یہی لوگ ہیں پورے خسارے والے (سورۂ بقرہ۔ رکوع ۳)۔

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے معاہدہ کو اس کی پختگی کے بعد توڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن تعلقات کے جوڑنے کا حکم فرمایا ان کو توڑتے ہیں اور دنیا میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اور ان کے لئے اس جہان میں خرابی ہے (سورۂ

رعد۔ ع ۳)۔

آج ہماری پریشانیوں، بے سکونی، بے برکتی اور رسوائی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم نے صلہ رحمی سمیت تمام احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیا ہے اور ان بدبختوں کے نقش قدم پر چلنے میں ترقی اور عزت تلاش کرتے ہیں جنہیں خالق کائنات نے قیامت تک کیلئے گمراہ اور مغضوب قرار دیا ہے۔ غیروں کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہونے والوں کا یہی انجام ہوا کرتا ہے جو کہ ہمارا ہو رہا ہے۔

حضرت حسنؓ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جب لوگ علوم کو ظاہر کریں اور عمل کو ضائع کر دیں اور زبانوں سے محبت ظاہر کریں اور دلوں میں بغض رکھیں اور قطع رحمی کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ اس وقت ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیتے ہیں اور اندھا بہرا کر دیتے ہیں (درمنثور)۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنت کی خوشبو اتنی دور تک جاتی ہے کہ وہ راستہ پانچ سو برس میں طے ہو۔ والدین کی نافرمانی کرنے والا اور قطع رحمی کرنے والا جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا (احیاء)۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی نیکی جس کا ثواب بہت جلد ملتا ہو، صلہ رحمی سے بڑھ کر نہیں ہے اور کوئی گناہ جس کا وبال دنیا میں اس کے علاوہ ملے جو آخرت میں ملے گا، قطع رحمی اور ظلم سے بڑھ کر نہیں ہے (تنبیہ الغافلین)۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت کی جائے اور اس کے نشانات قدم میں تاخیر کی جائے (یعنی عمر لمبی ہو) اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے (متفق علیہ)۔

صلہ رحمی کے بارے میں چند احادیث کا مفہوم اور سن لیجئے:

قیامت کے دن رحمٰن کے عرش کے سایہ میں تین قسم کے آدمی ہوں گے: (جن

میں سے ایک یہ ہے) ایک صلہ رحمی کرنے والا۔

دو قدم اللہ کے یہاں بہت محبوب ہیں۔ ایک وہ قدم جو فرض نماز ادا کرنے کیلئے اٹھا ہو، دوسرا وہ قدم جو کسی محرم کی ملاقات کیلئے اٹھا ہو۔ غریب پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے اور رشتے دار پر صدقہ کرنا صدقہ بھی ہے اور صلۂ رحمی بھی (فضائل صدقات)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ پر جب تہمت لگائی گئی تو اسے شہرت دینے میں دیگر افراد کے ساتھ حضرت مسطحؓ بھی شامل تھے جو حضرت ابوبکرؓ کے رشتے دار تھے اور ابوبکرؓ ان کی اعانت فرمایا کرتے تھے۔ اس تہمت کے قصے میں شرکت سے حضرت ابوبکرؓ کو بے حد رنج ہوا اور انہوں نے قسم کھالی کہ مسطحؓ کی اعانت نہ کریں گے۔ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی:

اور جو لوگ تم میں بزرگی والے، وسعت والے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دیں گے اور ان کو چاہئے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کردیں۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصوروں کو معاف فرمادے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے (سورہ نور، رکوع ۳، آیت نمبر ۲۲)۔

اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد ابوبکر صدیقؓ نے جتنا پہلے خرچ کرتے تھے اس کا دوچند کردیا۔

قرآن پاک کی آیات، احادیث مبارکہ اور صحابہ کرامؓ کا طرز عمل بھی ہمارے سامنے ہے اور اپنے طرز عمل سے بھی ہم بخوبی واقف ہیں۔ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو اپنے رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہیں؟ ان کی مالی مدد کرتے ہیں، ان کے کاموں کے سلسلہ میں بھاگ دوڑ کرتے ہیں، ان کے ناروا سلوک کو خندہ

پیشانی سے برداشت کرتے ہیں، کسی برائی کا بدلہ نہیں لیتے اور ان کی جانب سے زیادتی اور قطع تعلق کے باوجود ان سے تعلق جوڑے رکھتے ہیں اور ہر موقع پر درگزر سے کام لیتے ہیں اور یہ سب کچھ کسی دنیاوی مفاد کے لئے نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔

ذرا سوچئے! آج ہم اپنے عزیز و اقارب کو تھوڑے سے حسن سلوک کے ذریعے خوش کرسکتے ہیں جس سے یقیناً اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوگا مگر کل جب بروز قیامت ہماری بدسلوکی و زیادتیوں پر یہی رشتے دار ہمارا گریبان پکڑیں گے اور مالک یوم الدین کی عدالت میں مقدمہ دائر کریں گے تو وہاں ہم ان کے حقوق کہاں سے ادا کریں گے؟ یہاں پر اپنی ناک ذرا سی نیچے کرلینا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ یوم حشر میں ہمیں ہماری ناک کٹ جائے اور ہمیں دائمی رسوائی کا سامنا کرنا پڑے۔

غریبوں پر خرچ کرنے کی فضیلت

خالق کائنات نے جب سے یہ کائنات تخلیق کی اس وقت سے انسانوں، جنات اور حیوانات سمیت تمام مخلوقات کے رزق کا ذمہ خود لیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمے نہ ہو اور وہ ہر ایک کی زیادہ رہنے کی جگہ کو اور چند روزہ رہنے کی جگہ کو جانتا ہے، سب چیزیں کتاب مبین میں ہیں (سورہ ہود: آیت ۶)۔

حضرت سلیمانؑ نے ایک مرتبہ بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ یا اللہ! میں آپ کی تمام مخلوق کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ رب العالمین نے فرمایا کہ تم نہیں کر سکو گے۔ انہوں نے جب اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اجازت مرحمت فرمادی۔ حضرت سلیمانؑ نے بہت سارے انسانوں اور جنات کو جمع کر کے انہیں کھانا پکانے کا حکم دیا اور اتنی بڑی مقدار میں کھانا پکانے کا اہتمام کیا جو ان کے اندازے کے مطابق تمام مخلوق کے لیے کافی ہو سکتا تھا۔ جب کھانا پک گیا اور سب کے کھانے کی باری آئی تو سب سے پہلے ایک دیو ہیکل مچھلی آئی اور ایک ہی لقمے میں سارا کھانا چٹ کر گئی۔ حضرت سلیمانؑ بہت پریشان ہوئے اور اس مچھلی سے کہنے لگے کہ تو نے تو سارا کھانا کھالیا، اب یہ باقی مخلوق کیا کھائے گی؟ اس مچھلی نے جواب دیا کہ اے اللہ کے پیغمبر! میں نے تو ابھی ایک ہی لقمہ کھایا ہے، میرا رب تو مجھے روزانہ ایسے تین لقمے کھلاتا ہے۔ یہ سن کر حضرت سلیمانؑ نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ یا اللہ! واقعی تو ہی تمام مخلوق کو کھلا سکتا ہے، یہ کسی اور کے بس کی بات نہیں۔

اس دنیا میں تقریباً اٹھارہ ہزار اقسام کی مخلوقات بستی ہیں جن میں سے صرف ایک مخلوق انسان کی تعداد سات ارب سے زائد ہے اور ان سب کو رب کائنات بلا ناغہ حسب ضرورت روزی فراہم کرتا ہے اور ان تمام مخلوقات میں سے صرف انسان کو اس بات کا

مکلّف بنایا ہے کہ وہ حصول رزق کے لیے کوئی نہ کوئی ذریعہ معاش تلاش کرے، باقی تمام مخلوقات کو بغیر کسی ملازمت، تجارت یا زراعت کے روزی فراہم کرتا ہے جیسا کہ رب العالمین نے فرمایا:

اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے اللہ ہی ان کو روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سب کچھ سنتا ہے، سب کچھ جانتا ہے (سورۃ العنکبوت، آیت ۶۰)۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو دیگر مخلوقات کی طرح تمام انسانوں کو بھی محنت کے بغیر روزی عطا فرماتا جس طرح بنی اسرائیل کے لیے آسمان سے من وسلویٰ اترا کرتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں بے شمار مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو یکساں طور پر دولت مند بنا دیتا تو نظام معیشت کیسے چلتا؟ لوگ کاروبار کرتے ہیں پیسے کمانے کے لیے، ملازمت کرتے ہیں پیسے کمانے کے لیے، زراعت کو اپناتے ہیں پیسے کمانے کے لیے، مختلف پیشے اختیار کرتے ہیں پیسے کمانے کے لیے لیکن جب ہر ایک کو گھر بیٹھے ہی مفت کا مال ملتا تو پھر کسے ضرورت تھی کہ وہ محنت کرتا پس کھانے پینے کے لیے غذا، رہنے کیلئے گھر، پہننے کیلئے لباس وغیرہ کون تیار کرتا؟ ''میں بھی رانی تو بھی رانی، کون بھرے گا پانی؟'' اور اگر اس کے برعکس سب کے سب انتہائی غریب ہوتے تب بھی نظام معیشت معطل ہو کر رہ جاتا کیونکہ کسی کے پاس اجرت دینے کے پیسے ہی نہ ہوتے تو دوسروں سے کوئی کام کیسے کرواتا؟ اسی نظام معیشت کو چلانے کے لیے رب کائنات نے انسانوں کے درمیان معاشی تفریق پیدا فرمائی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں؟ دنیوی زندگی میں ان کی روزی ہم نے تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے اور آپ کے رب کی رحمت بدرجہا اس سے بہتر ہے جس کو یہ

لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں (سورۃ الزخرف، آیت ۳۲)۔

اللہ جس کو چاہے زیادہ رزق دیتا ہے اور تنگی کر دیتا ہے اور یہ لوگ دنیوی زندگی پر اتراتے ہیں اور یہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بجز ایک متاع قلیل کے اور کچھ بھی نہیں (سورۃ الرعد، آیت ۲۶)۔

اور اللہ تعالیٰ نے تم میں بعضوں کو بعضوں پر رزق میں فضیلت دی ہے سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو اس طرح کبھی دینے والے نہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جاویں کیا پھر بھی خدائے تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں (سورۃ النحل، آیت ۷۱)۔

آپ کہہ دیجیے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے روزی کی وسعت عطا کرتا ہے اور جس کو چاہے روزی کی تنگی دیتا ہے اور جو کچھ تم (اللہ کے راستے میں) خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا کرے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے (سورہ سبا: ع ۵)۔

اس آیت میں رب کائنات نے انسانوں کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ وہ اپنی محنت اور ذہانت سے دولت کماتے ہیں بلکہ وضاحت فرمادی کہ اللہ ہی جس کے لیے چاہتا ہے روزی میں وسعت عطا فرماتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے روزی تنگ کر دیتا ہے اور اگر غور کیا جائے تو اس دنیا میں بھی بے شمار ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بہت سے لوگ ذہانت میں بھی دوسروں سے ممتاز نظر آتے ہیں اور محنت بھی زیادہ کرتے ہیں لیکن وہ ہمیشہ غریب ہی رہتے ہیں جبکہ اس کے مقابلے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو نہ تو ذہین ہیں اور نہ ہی محنت کے عادی لیکن ان پر دولت بارش کی طرح برس رہی ہے کیونکہ رب العالمین ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کسے دولت دینا چاہئے اور کسے نہیں؟ دوسری بات اس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ تنگی اور فراخی مالک دوجہاں کی جانب سے ہے لہٰذا اگر کوئی امیر ہے تو اس

میں اس کا کوئی کمال نہیں اور اگر غریب ہے تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں بلکہ یہ اللہ کی تقسیم ہے جسے جس قدر مناسب سمجھتا ہے اتنا ہی دیتا ہے۔

گزشتہ اقوام کو رب کائنات نے مختلف فتنوں میں مبتلا فرمایا تھا۔ اس امت کے لیے مالک دوجہاں نے مال اور اولاد کو فتنہ قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عموماً انسان جتنی بھی ہیرا پھیریاں کرتا ہے اور حرام ذرائع سے مال کماتا ہے، اس کا بنیادی سبب مال اور اولاد سے محبت ہوتی ہے یعنی یا تو وہ اس لیے حصول مال کو ہی مقصد حیات بنا لیتا ہے کہ میں امیر ترین شخص بن جاؤں یا پھر وہ یہ چاہتا ہے کہ میری زندگی میں بھی اور میرے مرنے کے بعد بھی میری اولاد عیش کی زندگی گزارے حتیٰ کہ بعض اوقات ایک نیک و متقی انسان بھی اس وقت ڈانواڈول ہونے لگتا ہے جب وہ اپنے بچوں کو غربت کی وجہ سے بھوک سے تڑپتا ہوا دیکھتا ہے، دوا علاج کے لیے ترستا ہوا دیکھتا ہے یا کپڑوں، جوتوں کے لیے مچلتا ہوا دیکھتا ہے اور یہی وہ آزمائش ہے جس پر پورا اترنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ عموماً انسان ایک طرف تو حصول مال اور اولاد کی وجہ سے مصروف ہو کر احکام خداوندی کی بجا آوری میں کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے جبکہ دوسری جانب مال اور اولاد کی محبت اسے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتی ہے۔ شیطان اسے یہ پٹیاں پڑھاتا ہے کہ اگر میں نے یہ مال صدقہ، خیرات کرنا شروع کر دیا، لوگوں میں تقسیم کرنے لگا تو میرا مال کم ہو جائے گا، میں غریب ہو جاؤں گا وغیرہ وغیرہ جبکہ اس کے برعکس اس کائنات اور اس میں موجود تمام خزانوں کا حقیقی خالق و مالک یہ اعلان فرما رہا ہے کہ صدقہ، خیرات سے، لوگوں میں بانٹنے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ اور بڑھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا پھر اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر بہت سے حصے کر دیوے اور اللہ کمی کرتے ہیں اور فراخی کرتے ہیں اور تم اسی کی

طرف لے جائے جاؤ گے (سورۃ البقرہ، آیت ۲۴۵)۔

انجام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا اور ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے شمار رزق دے دیتا ہے (سورۃ النور، آیت ۳۸)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں..... ان میں سے اول یہ ہے کہ کسی بندہ کا مال صدقہ کرنے سے کم نہیں ہوتا اور دوسری یہ ہے کہ جس شخص پر ظلم کیا جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو حق تعالیٰ شانہ اس صبر کی وجہ سے اس کی عزت بڑھاتے ہیں اور تیسری یہ ہے کہ جو شخص لوگوں سے مانگنے کا دروازہ کھولے گا، حق تعالیٰ شانہ اس پر فقر کا دروازہ کھولتے ہیں (مشکوٰۃ بروایت ترمذی)۔

قصہ مختصر یہ دنیا دارالاسباب ہے، اللہ تعالیٰ آسمان سے ضروریات زندگی کی بارش نہیں برساتا، نہ ہی بنی اسرائیل کی طرح ہمارے لیے من وسلویٰ اترتا ہے، یہاں روز کنواں کھودنا ہے اور روز پانی پینا ہے، ہاں یہ خالق کائنات کی تقسیم ہے کہ جسے چاہتا ہے زیادہ مال ودولت دیتا ہے، جسے چاہتا ہے کم دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے مفلس رکھتا ہے۔ اس کی مصلحتیں وہی جانتا ہے، ہمارا کام ہے اس کی رضا پر راضی رہنا اور جو اس کی رضا پر راضی ہو جاتا ہے اس کے پاس خواہ دولت ہو یا نہ ہو، وہ اِس دنیا میں بھی سب سے بڑا غنی ہے اور اُس دنیا میں بھی۔

انسانی زندگی پر نیکی اور صدقے کے اثرات

من عمل صالحًا من ذکرٍ او انثٰی وھو مؤمن فلنحیینّه حیٰوۃً طیّبۃ ولنجزینھم اجرھم باحسن ماکان یعملون. (النحل)

جس نے اچھا عمل کیا ایمان کے ساتھ اور وہ مومن ہو کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں۔ ایمان ویقین کی دولت ہو اور اس نے اچھا عمل بھی کیا ہو تو "**فلنحیینّه حیٰوۃً طیّبۃً**"۔ ہم اسے پاکیزہ اور اچھی زندگی دنیا میں دیں گے۔..... جس نے اللہ اور رسول ﷺ کے حکموں کے مطابق زندگی گزاری..... اور پھر اسے ہم اچھا بدلہ آخرت میں بھی دیں گے۔ ایمان اور عمل صالحہ کے ذریعے سے عزت والی زندگی، سکون والی، قرار والی زندگی دنیا میں دینا اللہ کا وعدہ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں اور فقیہ امت ہیں، اس امت میں سب سے بڑے عالم ابن عباسؓ ہیں۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "**قال ابن عباسؓ ان للحسنۃ ضیاءً فی الوجه ونورٌ فی القلب ووسعۃٌ فی الرّزق وقوۃٌ فی البدن ومحبۃٌ فی قلوب الخلق..... الٰی آخر الحدیث**"۔ (کنزل العمال)۔

جب انسان نیکی کرتا ہے تو اس کے چہرے پر ایک روشنی ہوتی ہے، اس کے چہرے پر قدرتی طور پر ایک حسن ہوتا ہے..... یہاں ہمارے پڑوس میں ایک نائی تھا، وہ کبھی کبھی آتا تھا میرے پاس..... کل میرے پاس آیا..... پہلے جب میرے پاس آتا تھا تو میں کراہیت محسوس کرتا تھا، سر پر ایک بوجھ محسوس کرتا تھا لیکن کل جب آیا تو میں نے کہا کہ شاید آپ نمازی بن گئے ہیں؟..... وہ بولا کہ نماز تو میں ویسے بھی پڑھتا ہوں..... میں نے کہا کہ نہیں! اب شاید آپ پکے نمازی بن گئے ہیں؟..... بولا: ہاں اب میں پابندی

سے نماز پڑھنے لگا ہوں ..... میں نے کہا کہ مجھے آپ کا چہرہ دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اب آپ پکے نمازی بن گئے ہیں کیونکہ اب آپ کے چہرے میں جو اثرات اور بشاشت وتازگی ہے وہ نماز کی برکت ہے۔

پاؤڈر، صابن وکریم سے وہ تازگی اور خوبصورتی پیدا نہیں ہوسکتی جو حسن اور نور نماز کے ذریعے اور اللہ کی بندگی کے ذریعے پیدا ہوتا ہے..... مومن کی پیشانی، چہرے، ہاتھ میں ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ تو ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نیکی کا ایک حسن ہے، روشنی ہے، نور ہوتا ہے..... اس کے دل میں بھی ایک نور اور روشنی ہوگی جس سے وہ حلال وحرام میں تمیز کرتا ہے..... حلال سے محبت اور حرام سے نفرت کرتا ہے..... گناہوں سے اس کا دل تنگ ہوجاتا ہے اور نیکی سے دل فراخ ہوجاتا ہے۔

مومن کا چہرہ ہمیشہ تروتازہ رہتا ہے، بجھا بجھا نہیں ہوتا ..... جب انسان خوش ہوتا ہے تو وہ خوشی اس کے چہرے سے جھلکتی ہے اور جب اداس ہوتا ہے تو چہرے سے اداسی ظاہر ہوتی ہے..... نیکی کرنے سے انسان کو قلبی مسرت وسکون ملتا ہے اور یہی مسرت وسکون چہرے کو تروتازگی بخشتا ہے جبکہ گناہ انسان کے قلب میں ظلمت وبے چینی پیدا کرتا ہے اور اس کے ثرات بھی چہرے سے ظاہر ہوتے ہیں بشرطیکہ مسلمان ہو..... نیکی کرنے والا مومن اگر غریب بھی ہے تو وہ خود کو خوش قسمت اور پرسکون محسوس کرتا ہے جبکہ بدی کرنے والا اگر انتہائی امیر ہو تب بھی ایک بے چینی واضطراب میں مبتلا رہتا ہے۔

تو نیکی ایک روشنی ہے، ایک نور ہے انسان کے چہرے پر..... اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں برکت ڈال دیتے ہیں ..... آج کل لوگ مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ان مدرسوں میں صرف دینی تعلیم دی جاتی ہے..... مستقبل میں یہ لوگ کیا کریں گے؟ یہ کہاں سے کھائیں گے اور کمائیں گے؟ ..... پہلی بات تو یہ کہ کیا کھائیں گے اور کیا کمائیں گے، یہ ذمہ داری آپ کی نہیں ہے..... یہ پروردگار عالم کی ذمہ داری ہے

''ومامن دابۃٍ فی الارض الا علی اللہ رزقھا'' ..... دنیا میں کتنے پرندے، درندے ہیں، انہیں کون رزق دیتا ہے؟ ..... میں افریقا گیا تو مجھے بتایا گیا کہ وہاں سمندر میں دس ہاتھیوں کے جتنی بڑی بڑی مچھلیاں ہوتی ہیں، اس مچھلی کی خوراک تقریباً دس سال پہلے چودہ کروڑ روپے پاکستانی کے حساب سے بنتی تھی، وہ چھوٹی مچھلیاں کھاتی ہے جن کی مالیت چودہ کروڑ روپے یومیہ بنتی ہے، اب آپ بتائیں کہ چودہ کروڑ روپے کی مچھلیاں صرف ایک مچھلی کھاتی ہے تو ماہانہ اور سالانہ کتنا بنتا ہے؟ ..... ان کو روزی دینے والا کون ہے؟ آپ نے کبھی سنا کہ کسی مولوی صاحب نے کہا ہو کہ مجھے ملازمت نہیں مل رہی ہے؟ کیا آپ نے کبھی کسی اخبار میں پڑھا کہ ایک عالم نے خودکشی کرلی کیونکہ اسے ملازمت نہیں مل رہی تھی؟ ..... ہمیں مدرس نہیں ملتا، مسجد میں امام نہیں ملتا، جس سے پوچھو وہ کہتا ہے کہ میں دوسری جگہ ملازمت کررہا ہوں ..... یہاں بھی اور بیرون ملک بھی ..... یہ مولوی جس ملک میں بھی جاتے ہیں وہاں انہیں روزگار کی کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ اگر مولوی بے روزگار پھرتے تو ہمارا میڈیا اسے اس قدر اچھالتا کہ اس بات کا تماشہ بنادیتا..... رب کا بہت احسان ہے کہ دنیا میں اگر کوئی خوشحال وآباد ہے تو علماء کرام ہیں..... آپ پوچھیں کہ ان کا کارخانہ کون سا ہے؟ کاروبار کیا ہے تو..... علی اللہ رزقھا.....

ہندوستان کے ایک بہت بڑے بزرگ تھے، ان کے پاس ایک انگریز آیا کہ حضرت میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں ..... وہ انٹیلی جنس کا آدمی تھا..... میرے پاس ایک آدمی کام کرتا تھا..... وہ دو ڈھائی سال یہاں رہا..... وہ انٹیلی جنس کا آدمی تھا..... بعد میں مجھ سے بیعت ہوگیا..... وہ کہنے لگا کہ مجھے جو سکون یہاں ملا وہ کہیں اور نہیں ملا..... خیر وہ شخص بزرگ سے کہنے لگا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اچھی بات ہے مسلمان ہوجاؤ..... کافی عرصہ وہ ساتھ رہا..... ایک مرتبہ آیا اور کہنے لگا کہ حضرت! میں مسلمان نہیں ہوں بلکہ عیسائی ہوں اور آپ کے پاس صرف اس لیے آیا تھا

کہ ہمیں رپورٹ ملی تھی کہ یہاں اسلحہ بنتا ہے تو میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہاں پر اسلحہ کہاں بنتا ہے؟ لیکن میں نے تو یہ دیکھا کہ یہاں اسلحہ نہیں بنتا' انسان بنتے ہیں۔ یہ اسلحہ ساز نہیں بلکہ انسان ساز کارخانہ ہے.....اب میں بالکل مطمئن ہوں اور جارہا ہوں لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ کے ساتھ اتنے لوگ رہتے ہیں اور مہمان آتے ہیں تو ان کا خرچہ کہاں سے پورا ہوتا ہے؟

میں آپ کو اپنی بات بتاؤں۔ دس سال پہلے کراچی میں آٹے کی قلت ہوگئی' اب ہمارے پاس پانچ' ساڑھے پانچ سو طالب علم قیام پذیر تھے۔ مجھے باورچی نے بتایا..... میں باروچی خانے میں گیا تو واقعی آٹا نہیں تھا۔ سخت پریشانی تھی کہ آٹا نہیں ہے تو اب کیا ہوگا؟ تو وہاں سے میں واپس گھر میں گیا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا کہ آٹا نہ مدرسہ میں ہے نہ بازار میں' اب کیا کیا جائے؟ اس پریشانی کی حالت میں جب میں سیڑھی اترا تو سامنے چھوٹا دروازہ کھلا تھا..... جب میں نے وہاں دیکھا تو دروازے کے سامنے ایک ٹرک کھڑا تھا۔ اس میں آٹا' چاول' گھی اور دیگر سامان تھا..... میں نے اس لانے والے شخص سے پوچھا کہ یہ سامان کس نے بھیجا ہے تو اس نے کہا کہ میں نام نہیں بتا سکتا..... ایسے اچھے اور مخلص لوگ بھی ہیں جو نیکی کر کے نام تک بتانا پسند نہیں کرتے کیونکہ انہیں اس نیکی کا بدلہ انسانوں سے نہیں بلکہ اس رب سے چاہیے جو بہترین اجر دینے والا ہے .....وہ شخص کہنے لگا کہ مجھے صرف اتنا کہا گیا ہے کہ اس کی رسید لے آنا' باقی میں نام نہیں بتا سکتا.....تو میں دفتر میں گیا تا کہ منشی سے کہہ دوں کہ اسے رسید دے دو..... جب میں دفتر پہنچا تو وہاں پولیس اہلکار بیٹھے ہوئے تھے۔ علیک سلیک کے بعد مجھ سے کہنے لگے کہ مولانا! ہم آپ سے صرف ایک بات پوچھتے ہیں کہ آپ کے اخراجات کہاں سے پورے ہوتے ہیں؟ ..... یہ ایک ہی دن اور ایک ہی وقت کی بات ہے.....میں نے کہا کہ تم یہ بات مجھ سے مت پوچھو..... باہر جاؤ وہاں ٹرک کھڑا ہے' سامان لایا ہے' ٹرک

والے سے پوچھو کہ یہ سامان کس نے بھیجا ہے؟ اگر اس نے بتا دیا تو میں بھی بتا دوں گا کہ ہمارے اخراجات کہاں سے پورے ہوتے ہیں؟ لیکن اگر اس نے نہ بتایا تو پھر میں آپ کو کیا بتا سکتا ہوں؟

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمیں سنار' لوہار' پنساری یا ڈاکٹر' انجینئر بنانے کی فکر چھوڑ دو .....ہمیں چھوڑ دو اس مسجد میں تا کہ ہم آپ کی دینی پرورش تو کریں۔ اگر ہم لوہار' دکاندار یا زمیندار بن جائیں تو آپ کی دینی پرورش کہاں سے ہوگی؟ آپ جنازہ پڑھا سکتے ہیں؟ .....ایک شخص آیا کہ میری والدہ فوت ہوگئی ہیں' میں ان کا جنازہ خود پڑھانا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ جزاک اللہ' یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ وہ نماز جنازہ پڑھانے کیلئے کھڑا ہوا.....چار کے بجائے پانچ تکبیرات کہہ دیں' جنازہ کو خراب کر دیا۔ مجھے ایک شخص لا دیں جو آ کے جمعہ کا' عید کا خطبہ دے سکے' نماز پڑھا سکے۔ ہم آپ کی دینی ضرورت پوری کرتے ہیں.....ہم آپ کی قبر کی ضرورت پوری کرتے ہیں.....آپ کی قیامت کی ضرورت پوری کرتے ہیں..... پاکستان کا صدر یا وزیر اعظم آ جائے اور نماز پڑھا دے تو آپ کیا کہیں گے کہ کیا ہماری نماز ہوگئی؟ آپ ہمارے حکمران ہیں' آپ کو عوام نے منتخب کیا ہے' ہم کسی کی توہین کرنا نہیں چاہتے لیکن آپ ہماری نماز کی امامت کے لائق نہیں ہیں۔

اگر مولوی اچھی حالت میں ہے تب بھی لوگ نہیں چھوڑتے اور اگر مولوی بری حالت میں ہے تو تب بھی نہیں چھوڑتے.....اچھی حالت میں ہے تو کہیں گے کہ یہ مال' یہ کپڑے کہاں سے آئے؟ اور اگر غربت کی حالت میں ہے تب بھی اعتراضات کریں گے کہ انہیں زندگی گزارنے کا ڈھنگ نہیں آتا.....تو اس بزرگ سے انگریز نے پوچھا کہ حضرت میں جارہا ہوں اور میں یہ معلوم کرنے آیا تھا کہ آپ اتنے لوگوں کی ضروریات کیسے پوری کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ توکل سے پورے ہوتے ہیں۔ کیا آپ

توکل جانتے ہیں؟.....وہ کہنے لگا کہ حضرت! توکل آپ کا کوئی کھیت ہے یا کارخانہ ہے یا کوئی زمین ہے؟.....فرمایا کہ یہ آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا..... جب وہ انگریز جانے لگا تو جیب میں ہاتھ ڈال کر اس وقت کی مناسبت سے دس روپے دونوں ہاتھوں سے پیش کر دیے اور کہنے لگا کہ حضرت! قبول فرمالیں۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ پیسے آپ کیوں دے رہے ہیں؟ انگریز کہنے لگا کہ بس میرے دل میں آیا کہ میں آپ کو کچھ دوں..... فرمایا کہ یہی توکل ہے' توکل اسی کا نام ہے۔ کیا میں نے آپ سے مانگا تھا؟.....آپ کے دل میں آتا ہے اور آپ مدرسہ کو کچھ نہ کچھ دے دیتے ہیں۔

آپ ہماری فکر کیوں کرتے ہیں کہ ہم کہاں سے کھاتے ہیں؟ جن کے پاس ڈھیروں ڈگریاں ہیں انہیں ملازمت کیلئے دھکے کھاتے آپ نے نہیں دیکھا ہے؟ الحمدللہ! ہم نے عوام کے دین کی نگرانی کی ہے..... مدرسہ وہ بجلی گھر' وہ پاور ہاؤس ہے کہ جس میں مسلمانوں کے دلوں تک دین کی روشنی پہنچتی ہے.....آپ کے بچے کو کلمہ توحید کس نے سکھایا؟ اس کلمے کی بدولت اس کے ایمان کی سلامتی ہے اور ایمان کی سلامتی کی وجہ سے اسے جنت ملے گی اور جنت کی ایک بالشت کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے..... جن لوگوں نے مدارس کی مخالفت کی وہ نشان عبرت بن گئے.....عرب ممالک سے ایک عربی رسالہ نکلتا تھا' بہت اچھا رسالہ تھا۔ میں اس کے سارے مضامین پڑھتا تھا' میں اخبارات بھی دیکھتا ہوں اور رسالے بھی پڑھتا ہوں تاکہ دنیا سے باخبر رہ سکوں.....تو اس رسالے میں ایک واقعہ لکھا تھا کہ ایک سیاح نے لکھا کہ میں ایک مسجد میں گیا' دیکھا تو ایک حسین نوجوان تھا' لمبا کرتا' شاندار پگڑی' شرعی داڑھی' اس نے آ کر کے نماز پڑھائی.....میں اس کے پیچھے نماز پڑھ کر بہت خوش ہوا کہ ایسے نیک وصالح نوجوان کے پیچھے نماز پڑھی..... جب باہر نکلے تو میں اپنے جوتے پہن رہا تھا' اتنے میں ایک شخص آیا جس نے پتلون پہن رکھی تھی' چہرے پر داڑھی بھی نہیں تھی' وہ بھی میرے ساتھ بیٹھ کر

جوتے پہننے لگا تو میں نے ہاتھ بڑھایا اور اس کے ساتھ مصافحہ کرنے لگا' اس کی خیریت پوچھی.....میں نے اس سے نام پوچھا تو اس نے نام بتایا۔ میں نے کہا کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ کہنے لگا کہ ابھی آپ نے نماز کس کے پیچھے پڑھی؟..... میں حیران کہ جس کے پیچھے میں نے نماز پڑھی تھی اس کی تو داڑھی تھی' کرتا پہنا ہوا تھا.....میں نے پوچھا کہ آپ نے نماز پڑھائی؟ وہ بولا: کہ اس میں حیرت کی کیا بات؟ داڑھی تو مسجد کی ضرورت ہے' داڑھی محراب میں ہے' جب نماز پڑھاؤں گا تو داڑھی لگالوں گا' جب باہر جاؤں گا تو داڑھی اتار کر رکھ دوں گا۔

آپ لوگوں کے سامنے کوئی بے داڑھی امامت کیلئے کھڑا ہو جائے تو آپ لوگ فوراً کہیں گے کہ پیچھے ہٹو' پیچھے ہٹو! ہماری نماز مت خراب کرو.....شکر ہے کہ آپ کے اندر احساس باقی ہے.....وہ سیاح کہتا ہے کہ میں نے ایک اور جگہ اذان سنی.....مؤذن انتہائی خوش الحان تھا' میں بڑا خوش ہوا' جب وہ اشہد ان محمد رسول اللہ پر پہنچا تو اس نے حضور ﷺ کا نام چھوڑ دیا۔ میں سمجھا کہ مؤذن سے بھول ہوگئی.....اذان کے بعد مؤذن اذان خانے سے باہر آیا تو میں نے کہا کہ آپ نے اذان میں بھولے سے اشہد ان محمد رسول اللہ چھوڑ دیا تو وہ کہنے لگا کہ نہیں دراصل میں یہودی ہوں.....میں حضور ﷺ کی رسالت پر یقین نہیں رکھتا ہوں۔ مسجد والوں کو مؤذن کی ضرورت تھی' میری آواز اچھی تھی' مسجد والوں نے مجھ سے کہا کہ آپ اذان دیں.....میں نے کہا کہ میں یہودی ہوں' اشہد ان محمد رسول اللہ چھوڑ دوں گا.....انہوں نے کہا کہ بھلے چھوڑ دو لیکن تم اذان دو.....آپ بتائیے کہ جس اذان میں حضور ﷺ کا نام نہ ہو کیا وہ اذان ہے؟

ذوالفقار علی بھٹو کے زمانے میں مسئلہ چلا ختم نبوت کا کہ قادیانی مسلمان ہیں یا کافر' بہت بڑی تحریک چلی' قادیانیت کے خلاف.....آخر اسمبلی میں عدالت لگی' قادیانوں کو بلایا گیا..... جب مرزا آیا تو اس نے تقریر کی تقریباً دو یا تین دن۔ جب وہ فارغ ہوا

تو ایوان کے ممبرز نے مفتی محمودؒ سے درخواست کی کہ قادیانیوں کو کافر قرار دینے کے بجائے ہم خود کافر ہو گئے' اب ہمارا ایمان بچائیں..... قادیانی نے ایسی تقریر کی کہ ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے..... جب مفتی محمودؒ' مولانا عبدالحقؒ' مولانا یوسف بنوریؒ نے جوابی تقریر کی تو اسمبلی کے ارکان کھڑے ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے' آپ نے ہمارا ایمان بچالیا.....ایمان اسکول آنے جانے سے نہیں بنتا ہے' اس کیلئے آنکھیں اور دل قربان کرنا پڑتا ہے' راتیں کالی کرنا پڑتی ہیں' یہ ایسا آسان کام نہیں ہے..... یہ علماء کرام ہیں جو بیٹھے ہیں اور دین کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں..... یہ دین کے سپاہی ہیں۔ اگر یہ علماء نہ ہوں تو میں قسمیہ کہتا ہوں کہ ہر قادیانی' ہر یہودی' ہر عیسائی اور ہر ہندو آپ کے ایمان پر بآسانی حملہ آور ہو سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''سیکون من بعدی دجالون کذابون ثلاثون'' ۔ میرے بعد تیس دجال آئیں گے اور ہر ایک دعویٰ نبوت کرے گا اور یہ سب جھوٹے ہوں گے.....آپ ﷺ نے فرمایا ''لا نبی بعدی'' میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے.....تو یہ مولوی جنہیں آپ کوستے ہیں' برا بھلا کہتے ہیں..... ہمارا جرم یہ ہے کہ جیسا کہ اکبر الٰہ آبادی نے کہا کہ

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی جا جا کے تھانے میں
اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

ہمارا جرم یہ ہے کہ ہم آپ کا ایمان' عقیدہ بچاتے ہیں اور اس جرم کی وجہ سے مولوی دہشت گرد ہے' مولوی انتہاء پسند ہے..... جو دہشت گرد ہیں ان کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے..... ہر قوم میں' ہر گروہ میں کچھ اچھے ہیں' کچھ برے ہیں.....سب کو ایک لکڑی سے ہانکنا کہاں کا انصاف ہے؟ ہمارا کام ہے آپ تک صحیح دین کا پہنچانا اور آپ کو آگاہ کرنا' اس جرم میں کتنے علماء کرام کو شہید کیا گیا' پھانسی چڑھایا گیا لیکن ہم اس جرم

سے باز آنے والے نہیں.....حضور ﷺ نے فرمایا کہ نیکی کے ذریعے سے اللہ برکت دیتا ہے.....اگر کوئی کہتا ہے کہ ہمیں سعودی عرب سے یا کسی اور ملک سے پیسے ملتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ وہ ہاتھ ٹوٹ جائیں جو آپ کے سامنے یا سعودی عرب وغیرہ کے سامنے پھیلیں..... ہمارے دونوں ہاتھ اس خزانے میں ہیں جو رب العالمین کا خزانہ ہے۔ ''**وللہ خزائن السمٰوات والارض ولکن المنافقین لایفقھون**..... ہم مخلوق سے کیا مانگیں؟ غریب سے مانگنے سے زیادہ غربت اور ذلت اور کیا ہے؟..... مانگنا ہے تو اس ذات سے مانگو جس کے پاس زمین و آسمان کے خزانے ہیں۔

ہم نے صرف اشاعت دین اور رضائے الٰہی کیلئے مدرسہ قائم کیا ہے اور اپنی ضروریات بھی اسی سے بیان کرتے ہیں' اس کا کھا کر' اس کے گھر میں بیٹھ کر غیر اللہ کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے.....نیکی سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے اور بدن میں طاقت آتی ہے اور لوگوں کے دلوں میں بھی محبت پیدا ہوتی ہے' دیندار سے لوگوں کو محبت ہوتی ہے۔

طالوت مصر کا بادشاہ تھا' بڑا ظالم تھا.....تو خنائیؒ ایک بزرگ تھے' انہوں نے اس کے ساتھ بحث کی کہ آپ کا یہ کام ٹھیک نہیں' یہ ٹھیک نہیں.....اس نے نوکروں سے کہا کہ تم اس شخص کے ہاتھ' پاؤں باندھ کر شیر کے آگے ڈال دو تا کہ شیر اسے کھا جائے.....خدام نے ایسا ہی کیا.....شیر جب آیا تو وہ انہیں سونگھنے لگا (شیر کو بھی شاید دین کی' توحید کی خوشبو آ گئی تھی) شیر نے انہیں چھوڑ دیا۔

دین کی ایک خوشبو' ایک رعب ہے' ایک طاقت ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے مجھ سے کہا کہ چونکہ آپ لوگ چاہتے تھے کہ مجھ سے ملیں تو میں نے کہا کہ چلو آپ کی خواہش پوری کر دوں..... میں نے کہا کہ جنرل صاحب! ہمیں کسی بادشاہ یا جنرل سے ملنے کا شوق نہیں ہے.....آپ نے بلایا تو ہم نے مناسب نہیں سمجھا کہ ہم آپ سے نہ ملیں اس لیے ہم آئے ہیں لیکن یہ ہماری خواہش نہیں تھی..... ہم نے نہ حکمرانوں سے ملنے کی

خواہش کی نہ ان سے کبھی کوئی پیسہ لیا..... یہ ادارے اپنا اور آپ کا دین بچانے کیلئے قائم کیے گئے ہیں کیونکہ یہ ہمارا دینی فریضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس فریضہ کی صحیح ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

صلہ رحمی کا درجۂ کمال

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کردہ ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص حقیقی صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے جو بدلے اور جواب میں صلہ رحمی کرے۔ کمال درجے کی صلہ رحمی تو یہ ہے کہ اس کے رشتہ دار تو اس کا حق نہیں دیتے مگر یہ سب کے حقوق ادا کرتا ہے اور سب سے تعلق جوڑے رکھتا ہے۔

محترم قارئین! آج کے درس حدیث میں جس فرمانِ اقدس کا مفہوم ذکر کیا گیا ہے، اس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی اعلیٰ ترین معاشرے اور اس کے افراد کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ صحیح اور حقیقی مسلمان اور اسلام کا مفہوم انتہائی خوبصورتی اور اختصار سے بیان فرمایا ہے۔

صلہ رحمی کا معنی ہے اچھا سلوک کرنا، محبت و پیار سے پیش آنا اور بالخصوص ان کے ساتھ جن سے قرابت اور رشتہ داری کا کچھ تعلق بھی ہو۔ اسلامی معاشرے اور طرز زندگی میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں بھی جا بجا مختلف الفاظ اور دلنشین انداز میں اس اچھی عادت کو بیان فرمایا گیا ہے اور اہلِ ایمان سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ صلہ رحمی قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی کا حد درجے خیال رکھیں۔ انسان بہت کمزور ہے، گو کہ بنتا بڑا طاقتور ہے، خود کو بہت قوی اور مضبوط ظاہر کرتا ہے لیکن اگر دیکھا جائے تو شاید اللہ کی مخلوق میں اس سے کمزور اور عاجز مخلوق کوئی نہ مل سکے۔ انسانی کمزوریوں میں اُس کی برداشت اور ظرف کی کمزوری اور کوتاہی بھی شامل ہے۔ محدود ذہنی زاویہ و مخصوص طرز فکر کی وجہ سے بسا اوقات انسان ذہنی کم ظرفی، تنگ دلی بلکہ تھڑ دلی کا شکار ہو جاتا ہے اور اپنے ذہن سے یہی فیصلہ لے کر بیٹھ جاتا ہے کہ بس میں تو

اُس کے ساتھ اچھا سلوک کروں گا جو میرے ساتھ کرے گا۔ دراصل معاشرے کے افراد کا رویہ احسان فراموشی، اپنے محسن کے ساتھ بدسلوکی وغیرہ ایسے عناصر ہیں جن کی وجہ سے ہر شخص ہمہ وقت شکوک وشبہات کا شکار رہتا ہے اور وہ ہر نیک کام اور احسان کرنے سے پہلے اس چیز کا اطمینان چاہتا ہے کہ میرے حسن سلوک کے ساتھ بدسلوکی تو نہیں ہوگی۔ میرا یہ احسان خود میرے لئے ذریعہ نقصان تو نہیں بن جائے گا۔

بہرحال تمام افراد ایک جیسے نہیں ہوتے ابھی معاشرے میں کچھ اچھے افراد اور صحیح مسلمان بھی موجود ہیں۔ یوں تو عام طور پر اچھائی کے بدلے میں اچھائی کی جاتی ہے مگر اخلاق اور اچھی عادات کا اعلیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ کسی شخص کے اچھائی کئے بغیر ہی اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

خاص طور پر عزیز واقارب کے معاملے میں بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتیں کئی بڑی بڑی رنجشوں کا ذریعہ اور پیش خیمہ بن جاتی ہیں، ہر ہر بات کو ذہن میں رکھا جاتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی فوت ہوجائے تو بھی اس بات کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ آیا یہ شخص ہمارے گھر کی فوتگی پر آیا تھا یا نہیں، اگر نہیں تو پھر ہم بھی اس کے جنازے میں نہیں جائیں گے یا اسی طرح عیادت وتعزیت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ ٹھیک ہے جذبات اور عقل یہی کہتی ہے کہ جو جیسے کرے تم ویسے کرو مگر مسلمان کی عقل اور اُس کے جذبات آزاد اور آوارہ نہیں، اس کی عقل پر وحی کا پہرہ اور جذبات پر آقا علیہ السلام کی سنت کا ایک مضبوط دروازہ لگا ہوا ہے۔ اس پہرے اور دروازے کا نام شریعت اور سنت ہے، یہی وہ پہرہ اور حدود ہیں جو ایک آدمی کو انسان جیسے باعزت مقام پر فائز کرتی ہیں۔

یہی تو وہ حدود وقیود ہیں جنہیں پھلانگتے اور توڑتے ہوئے انسان ذرا دیر ڈر کر سوچے تو بے شمار خرابیوں اور کوتاہیوں سے بچ سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدلے میں بھلائی کرنے کو بھلائی کی فہرست سے خارج نہیں کیا مگر درجہ کمال اس کو قرار دیا

کہ گالیاں بکنے والوں کو دعائیں، کوڑا پھینکنے والوں کی عیادت، پیارے چچا کو بے دردی سے ٹکڑے کرنے والوں کی عام معافی کا اعلان کیا۔

میری امت والو! گو کہ کام مشکل ہے لیکن اگر محبت کا دعویٰ ہے اور یقیناً ہے اور تمہیں مجھ سے اور مجھے تم سے بڑی محبت ہے تو پھر چھوٹی چھوٹی باتوں پر توڑ پیدا نہ کرو بلکہ میری طرف دیکھو اور جیسے بدلے کی طاقت کے باوجود میں نے فتحِ مکہ میں اعلان کردیا تھا: آج لڑائی کا نہیں بلکہ رحمت، محبت، اخوت اور معافی کا دن ہے تو تمہیں کیا ہوگیا؟ دعویٰ مجھ سے محبت کا اور معاملات میری مرضی اور پسند کے بالکل الٹ۔

بس سب سے نظریں ہٹاؤ اور میری طرف دیکھو، سب غصہ کافور اور غم غلط ہوجائے گا۔

محترم قارئین! کیا گنبد خضریٰ سے آنے والے اس محبت بھرے پیغام کو ہم سن رہے ہیں، اگر اب تک سننے کی کوشش نہیں کی تو بس آج سے ہی کان لگا کر سنیں، ان شاء اللہ بڑا سکون اور سرور محسوس ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین